ابنِ صفی

جلد نمبر
40

جاسوسی دنیا

119- موروثی ہوس

120- دہشت گر

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 40

119	موروثی ہوس
120	دہشت گر

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلشر.....خالد سلطان
پرنٹر.....یمانی پریس

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 119

موروثی ہوس

(مکمل ناول)

پیش رس

''موروثی ہوس'' ملاحظہ فرمایئے۔ قاسم سے ملئے۔ اس بار انہوں نے بھی کسی قدر ہاتھ پیر ہلائے ہیں۔ بس کسی طرح کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنی چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ انہیں کسی بات پر شدت سے غصہ آجائے۔ ایک بات اور واضح کردوں (پہلے بھی مطلع کر چکا ہوں) تاکہ نئے پڑھنے والے بھی آگاہ ہوجائیں۔ قاسم صاحب مستقل طور پر ''ک'' کو ''ق'' یا ''گ'' کو ''غ'' نہیں بولتے۔ بس کبھی ''قاعدے'' سے بولتے ہیں اور کبھی ''کائدے'' سے۔ اُن کی ذہنی روزبان کی حرکات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ بعض کاتب حضرات اسے میرے قلم کی بھول چوک سمجھ کر اصلاح فرماتے چلے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قاسم صاحب کے بعض جملے پڑھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اگر خود میں نے کاپیاں چیک کیں تو بات بن جاتی ہے ورنہ قاسم صاحب کے ''اصلاح شدہ'' مکالمے جوں کے توں چھپ جاتے ہیں۔

اس بار ایک دلچسپ خط ہاتھ آیا ہے۔ ایک پڑھنے والے کو شکایت ہے کہ حمید فریدی اور عمران انہیں جیتی جاگتی دنیا کے افراد نہیں معلوم ہوتے۔ کیونکہ نہ کبھی اُن کے سر پھٹتے ہیں اور نہ کبھی گولیوں سے زخمی ہوتے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کیا یہ غیر فطری امر نہیں ہے۔ ہوگا بھائی! اگر میں انہیں زخمی کرکے پلنگ پر ڈال دوں تو بقیہ کہانی کا صرف ''ہائے ہائے'' بن کر رہ جانا بھی فطری امر ہوگا۔

انگریزی کے بعض ناول نگاروں ہی کے بس کی بات ہے کہ پہلے ہی باب میں ہیرو (جاسوس) کی پسلی کی تین ہڈیاں تڑوادیں۔ کالر بون میں کریک ڈال دیا اور اس کے باوجود بھی اُس نے پورے ناول میں وہ دھما چوکڑی مچائی کہ مصنف کو بھی دانتوں پسینہ آگیا اور بعد میں بیٹھا سوچ رہا ہے کہ اس کی تو تین ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اب کیا کیا جائے اور آخر میں وہی کہ ''سب چلتا ہے'' ہیرو بھی چلا اور مصنف بھی کہ Best Seller قرار پایا۔

آخر میں خود کو آزمائش میں کیوں ڈالوں۔ لیکن چلئے! اس بار آپ کی یہ خواہش بھی پوری کردی ہے۔ شروع ہی میں حمید صاحب کا سر پھاڑ دیا ہے کہ سر کا زخم بھاگ دوڑ میں اتنا زیادہ مخل نہیں ہوتا جتنی کہ پسلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈیاں۔ ایسا آدمی تو بسا اوقات سیدھا کھڑا بھی نہیں ہوسکتا اور کالر بون کا کریک ہاتھ کی جنبش تک میں مانع ہوتا ہے۔

والسلام

ابن صفی

رات کی واردات

آج کل پھر دونوں شیر وشکر ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپس میں کبھی کوئی کھٹ پھٹ ہوئی ہی نہ ہو۔ قاسم سب کچھ بھول گیا تھا۔ دراصل خود اُس کی اپنی کمزوریاں ہی اُسے حمید کو ہر بار ''معاف'' کر دینے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

قاسم ان دنوں شہر سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ لیکن تنہا نہیں! لہٰذا جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ کیپٹن حمید دو ہفتے ٹائیفائیڈ میں مبتلا رہنے کے بعد دو ماہ کی چھٹی میں بھی ''ملوث'' ہو گیا ہے تو اُس نے تہیہ کر لیا کہ اُس کے پچھلے سارے قصور نہ صرف معاف کر دے گا بلکہ آئندہ کے لئے بھی حمید کو کھلی چھٹی ہوگی کہ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے۔

لہٰذا پروگرام بنا تھا وادی سرخاب کا اور قاسم کی رال بھی ٹپکنے لگی تھی۔ وادی سرخاب کے سیخ کباب اُسے ابھی تک نہیں بھولے تھے۔ سرِشام ہی وہاں کے سارے بازار سیخ کبابوں کی خوشبو سے مہک اٹھتے تھے۔

بارہا قاسم کو وہ خوشبوئیں یاد آئی تھیں اور اُس کے منہ میں پانی آ گیا تھا اور بے خیالی میں قالین پر تھوک کی پچکاری چل جانے کی بناء پر بیوی کی جھڑکیاں بھی سنی تھیں۔

بہرحال اس وقت تو وہ دونوں ایک تیز رفتار جیپ میں وادی سرخاب کی طرف اُڑے جا رہے تھے۔ کریم آباد تک ہوائی جہاز سے آئے تھے اور کریم آباد کے پولیس اسٹیشن سے

ایک جیپ حاصل کی تھی۔ کسی آفیسر کی نجی گاڑی تھی جو تعلقات کی بناء پر مل گئی تھی۔

کریم آباد سے چلے تھے تو مطلع بالکل صاف تھا لیکن آدھا راستہ طے ہو جانے کے بعد مغرب سے سیاہ بادلوں کے پرے کے پرے اُمنڈنے لگے تھے۔

حمید خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اندازہ تھا کہ شام ہونے سے قبل ہی وادی سرخاب میں داخل ہو جائیں گے۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا؟'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''قیا ہوا.....!'' قاسم چونک کر بولا۔ وہ اُس کے برابر ہی بیٹھا ہچکولے کھا رہا تھا۔

''آسمان کی طرف دیکھو۔''

''ہاں..... ہاں موسم سہانا ہو گیا ہے۔'' قاسم خوش ہو کر بولا۔

''اس وہم میں نہ رہنا..... پہاڑی سڑک ہے۔''

''ہوگی..... سسٹران لا۔''

''کیا مطالب..... سسٹران لا.....!''

''ہی ہی ہی ..... کچھ نہیں..... وہ آج کل ذرا اونچی سوسائیٹیوں میں اُٹھ بیٹھ رہا ہوں .....نا.....اَے لانت ہے۔''

نہ جانے کیوں اُسے یک بیک غصہ آ گیا۔ ورنہ بات تو ''ہی ہی ہی'' سے شروع ہوئی تھی۔

''ہوش میں تو ہو۔''

''بالقل..... دراصل کہیں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی.....!''

''تو کیا پھر کسی سسٹران لا کا چکر ہے۔''

''اے نہیں..... وہ چپاتی بیگم..... خدا غارت کرے۔''

''آہا..... تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خود ساتھ نہیں ہوتیں تو خیال سر پر سوار رہتا ہے۔''

''یہ بھی نہیں! اُسی قی وجہ سے اونچی سوسائیٹیوں میں اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے اور وہ مجھے ایٹی کیٹ سکھاتی ہے..... ہات تیری ایٹی کیٹ کی۔''

''ایٹی کیٹ کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ہوگا۔ ایسی کریہہ گالی نکلی تھی قاسم کے حلق سے۔''

''ابے دماغ تو نہیں خراب ہو گیا..... گوبر انڈیل رہا ہے میرے کانوں میں۔''

''قیا قروں.....کہتی ہے بات بات پر سالا سالی نہ قہا کرو۔''

''اچھا.....اچھا.....ظاہر ہے شریفوں میں بیٹھ کر شرفاء ہی کی زبان بولنی پڑتی ہے۔''

اس پر قاسم نے شرفاء کی بھی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی تھی۔

''اے.....کیا ہوگیا ہے تم کو۔''

''سسٹر ان لا.....اور برادران لا.....!''

''اچھا.....اچھا.....میں سمجھا.....انگریزی میں سالا سالی بولنے لگے ہو۔ گفتگو کے دوران میں۔''

''یہی بات ہے۔''

''لیکن یہ پہاڑی سڑک سسٹر ان لا نہیں ہے۔ ذرا سی بارش بھی ہوجائے تو بے حد خطرناک ہوجاتی ہے۔ ادھر کی گہرائیاں اور کھڈ تو تم دیکھ ہی رہے ہوگے۔''

''الاقسم آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اُس طرف.....اگر دیکھوں تو چکر آجائے۔''

''بس تو پھر اب خدا کو یاد کرو.....بارش ضرور ہوگی.....ان اطراف میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے.....محکمہ موسمیات کے بھی چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔''

''یار قیوں ڈرا رہے ہو۔''

''بس جتنی جلد ممکن ہو کم از کم ریگم بالا کے ڈاک بنگلے ہی تک پہنچ جائیں۔''

''وہ کتنی دور ہے.....ابے یہ تو بلکل اندھیرا ہوگیا.....ہائیں.....ابھی تو چار ہی بجے ہیں۔ ارے باپ رے.....ابے تم نے پورا سفر ہوائی جہاز ہی سے قیوں نہیں کیا تھا۔ قریم آباد میں.....یہ سسٹر ان لا جیپ قیوں پکڑ لی تھی۔''

''سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔''

''اب کی اللہ نے چاہا تو ملیریا ہی ہوگا۔ سالے اٹھے ہیں ٹائیفائیڈ سے اور جیپ ڈرائیو کررہے ہیں۔''

''بکواس بند کرو.....اور مجھے سکون سے ڈرائیو کرنے دو۔''

''میں سالا قیوں پاغل ہوجاتا ہوں۔''

''خاموشی سے سوچو۔''

گاڑی کی رفتار بتدریج بڑھ رہی تھی۔ حمید نے غلط نہیں کہا تھا۔ سڑک خطرناک تھی۔ اس پر آمد و رفت کے اوقات مقرر تھے کیونکہ دوسری طرف سے آنے والی کسی گاڑی کو راستہ دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی گاڑی خراب بھی ہو جاتی تھی اور پھر لوگوں کو جن دشواریوں سے گزرنا پڑتا تھا وہی جانتے تھے۔

گہرے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا اور ہوا بھی کسی قدر تیز ہو گئی تھی۔

''اب اُڑ جائیں گے بادل.....!'' قاسم چہک کر بولا۔ ''ہوا چل گئی ہے۔''

''یہاں تیز ہوا طوفانی بارش کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔''

''تو سالے جان بوجھ کر تم نے پھر میری مرمت کر ڈالی۔''

''بکواس مت کرو..... میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں تنہا ہی آ رہا تھا۔''

بات ٹھیک ہی تھی۔ قاسم خود ہی سر ہوا تھا۔ لہٰذا چپ ہو رہا۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد جو اُس نے اپنی چپاتی بیگم سے متعلق بہ آواز بلند سوچنا شروع کیا تو حمید کو دن میں تارے نظر آ گئے۔ اُس کی بکواس سنتا یا دلجمعی سے گاڑی چلاتا رہتا۔ بار بار ذہن بٹ جاتا۔

پھر شائد وہ قسمت کے سکندر ہی تھے کہ پہلی بوند اُسی وقت آئی تھی جب اُن کی جیپ ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔

''اُوہو..... یہاں تو ایک اسٹیشن ویگن بھی موجود ہے۔ ڈاک بنگلہ ویران نہیں ہے۔''

''سونگھو..... سونگھو جلدی سے۔'' قاسم ہنس کر بولا۔ ''قوئی لڑکی وڑکی بھی پائی جاتی ہے یا نہیں۔''

''اب تم اپنی چونچ بند رکھنا۔ ابھی کچھ دیر پہلے دم نکلا جا رہا تھا۔''

''سب چلتا ہے..... ٹھینگے سے۔''

حمید نے جیپ بھی اسٹیشن ویگن کے قریب ہی روکی تھی۔ بارش شروع ہو چکی تھی اور کچھ اس رفتار سے شروع ہوئی تھی جیسے بہت دیر سے ہوتی رہی ہو۔ جیپ سے اُتر کر برآمدے تک پہنچتے پہنچتے ہی خاصے بھیگ گئے تھے۔ ہواؤں کا شور بڑھ گیا تھا۔

صدر دروازے سے گزر کر وہ ایک مختصر سی راہداری میں پہنچے۔ یہاں اتنا اندھیرا تھا کہ حمید کو جیبی ٹارچ روشن کرنی پڑی۔

''جس کمرے میں روشنی نظر آ رہی ہے اُسی طرف چلو۔'' حمید بولا۔

ہر طرف تاریکی تھی۔ بس ایک کھڑکی کسی قدر روشن نظر آ رہی تھی اور یہ روشنی بھی اتنی توانا نہیں تھی کہ باہر کے اندھیرے کا کچھ بگاڑ سکتی۔ کھڑکی بند تھی لیکن اُس کے شیشے اتنے گندے نہیں تھے کہ وہ کمرے کے اندر کا جائزہ نہ لے سکتے۔

''ایک نوجوان.....ایک لڑکی اور ایک.....!'' حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

''ہاں ہاں قہو.....رق قیوں گئے۔''

''اور ایک معمر عورت.....!''

''دیکھوں.....!'' قاسم آگے بڑھ کر بولا۔ چند لمحے جھکا ہوا اندر جھانکتا رہا پھر بولا۔ ''امے جاؤ.....اچھی خاصی تو ہے۔ قہتے ہیں معمر عورت۔ وزن دو سو پونڈ سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔''

''ہاں! تم تو گوشت ہی آنکتے ہو.....تمہیں عمر وغیرہ سے کیا سروکار۔'' اچھا لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے۔

''پتا نہیں قیوں پیدا ہوگئی ہے۔ بخاکت کی پڑیا.....اب مری اور تب مری۔''

''تو تمہیں پسند نہیں آئی۔''

''امے جاؤ.....اپنی والی کیا بُری ہے.....اگر اسے پسند کرنے بیٹھوں۔''

حمید نے چوکیدار کو آواز دینی شروع کر دی تھی۔ لیکن نہ تو اُس کی طرف سے جواب ملا اور نہ اُس کمرے ہی کا دروازہ کھلا۔ وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئے تھے۔

بارش کچھ اور تیز ہوگئی اور اب تو گرج اور چمک کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

''امے اسی کمرے کا دروازہ پیٹو.....وہاں سالے آتشدان میں آگ جلائے بیٹھے ہیں اور یہاں سردی سے کباڑا ہو رہا ہے۔'' قاسم نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی تھی۔

''کون ہے۔'' اندر سے مردانہ آواز آئی۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ چوکیدار کہاں مر گیا۔''

دروازہ کھلا تھا اور اُسی نوجوان کی آواز سنائی دی تھی۔ ''بیچارہ اپنی کوٹھری میں پڑا بخار میں بھن رہا ہے۔''

''دُوسرے کمرے بھی مقفل ہیں.....اب ہم کہاں جائیں۔'' حمید بولا۔

''ادھر ہی آ جایئے.....اچانک بارش نے بہتوں کو پریشان کیا ہوگا.....؟''

''شکریہ.....!'' حمید بولا۔

''لیکن میری ایک درخواست ہے۔'' نوجوان نے آہستہ سے کہا۔ وہ دروازہ بھیڑتا ہوا راہداری میں نکل آیا۔

''فرمایئے.....!'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

''میری والدہ تیز مزاج ہیں.....اور بہن بدتمیز ہے.....اگر کوئی بات گراں گزرے تو معاف کر دیجئے گا۔''

''اجی چھوڑیئے بھی۔'' قاسم جلدی سے بولا۔ ''سبھی کی مائیں بہنیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔''

''آپ سمجھے نہیں۔'' نوجوان بولا۔ ''نہ وہ مار بیٹھیں گی اور نہ بہن گالیاں دے گی بس خواہ مخواہ دخل در معقولات کی عادت ہے اور والدہ صاحبہ ہر ایک کو شبہے کی نظر سے دیکھتی ہیں۔''

''لیکن آپ بہت سادہ لوح معلوم ہوتے ہیں کیا۔ اجنبیوں سے اس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔'' حمید سرد لہجے میں بولا۔

''اسے سادہ لوحی مت کہئے۔ اسے صاف گوئی کہتے ہیں۔''

''چلئے.....چلئے.....ہم خیال رکھیں گے۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے.....دونوں ہی اپنی جگہوں سے اٹھ گئی تھیں اور صرف قاسم کو دیکھے جا رہی تھیں۔

دفعتاً نوجوان کھنکار کر بولا۔ ''میں ناصر ہوں، یہ میری والدہ ہیں.....اور یہ بہن شاہدہ ہے۔''

''مجھے ساجد حمید کہتے ہیں.....اور یہ میرے ساتھی مسٹر قاسم.....!''

معمر عورت اپنے بیٹے کو گھورتی ہوئی بیٹھ گئی اور لڑکی نے کہا۔ ''آپ تو ساجد حمید ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ.....!'' اُس نے قاسم کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

''شاہدہ.....!'' بڑی بی نے اُسے للکارا۔

''ممی پلیز.....کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔ ان کا نام قاسم نہیں قراقرم ہونا چاہئے۔''

''میں آپ سے متفق ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''ہوگئے متفق.....!'' قاسم نے سر ہلا کر آہستہ سے پوچھا۔''قراقرم سالاقون تھا۔ میں نہیں جانتا۔''

''پہاڑ کا نام ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

لڑکی خاموش ہو کر آتشدان کی طرف متوجہ ہوگئی اور معمر عورت اُسے خونخوار نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔

''ہمیں بے حد افسوس ہے۔'' حمید بولا۔ مجبوراً ہمیں مخل ہونا پڑا۔ سارے کمرے مقفل ہیں۔ ہوا تیز نہ ہوتی تو برآمدے ہی میں گزارا کر لیتے۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' ناصر جلدی سے بولا۔''آتشدان کے قریب آ جایئے..... آپ کے کپڑے بھی بھیگے ہوئے ہیں۔''

''یہیں ٹھیک ہیں۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

بارش کے زور اور ہواؤں کے شور میں گرج اور چمک کا اضافہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ ایک بار تو ایسی گرج سنائی دی کہ قاسم اوپر سے نیچے تک تھلتھلا کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے بجلی اُسی پر گری ہو۔

ٹھیک اُسی وقت شاہدہ کا قہقہہ بھی کمرے کی محدود فضا میں گونجا تھا۔

''شاہدہ ہوش میں رہو۔'' ماں نے غصیلی آواز میں کہا۔

''مجھے اس پہاڑ جیسے آدمی پر ہنسی آئی تھی۔ کس بُری طرح سہم گیا تھا۔ بجلی کے کڑاکے پر۔''

''سنا تم نے کیا کہہ رہی ہے۔'' حمید بولا۔

''وِد مائی تھمب (with my thumb) یعنی میرے ٹھینگے سے۔''

''جو کچھ کہنا ہے زور سے کہئے۔'' شاہدہ ڈپٹ کر بولی۔

پھر بجلی کڑکی تھی اور شاہدہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

''شاہدہ! تم باز نہیں آؤ گی۔'' معمر عورت غرائی۔

''میں بُرا نہیں مانتا.....انہیں قہقہے دیجئے۔'' قاسم دانت نکال کر بولا۔

''پہاڑوں پر پھینکے جانے والے پتھران کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔''

''شاہد.....!'' اس بار ناصر نے بھی اُسے متنبہ کیا تھا۔

''مجھے کہنے دیجئے! کائنات کو مسخر کرنے والا آدمی بجلی کے کڑاکے سے ڈرتا ہوا کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

قاسم ہکلایا۔ ''یہ آپ قق..... قیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے کبھی قائینات کو مسخر نہیں قیا..... اللہ قسم..... میرے دشمنوں نے اڑائی ہوگی..... واہ بھئی۔''

شاہدہ ہنس پڑی اور معمر عورت اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف جھپٹی تھی۔

''ارے نہیں جانے دیجئے۔'' حمید بولا۔ ''ہم محظوظ ہو رہے ہیں۔''

وہ برابر ہنسے جا رہی تھی۔ ماں سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے برخلاف ناصر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''اب قہیں مجھے غصہ نہ آجائے۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''حمید بھائی یہ قائینات مسخر کیا چیز ہوتی ہے۔''

''کسی بہت موٹی عورت سے شادی کرنے کو کہتے ہیں۔''

قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اللہ..... ایسا مقدر کہاں..... میرے باپ نے تو اپنی مریل بھتیجی مسخر کرادی تھی۔''

''ارے..... ارے..... پھر سرگوشیاں..... کیا ہمارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔''

''شاہدہ پلیز.....!'' ناصر کے لہجے میں بے بسی تھی۔ حمید سختی سے ہونٹ بھینچے آتشدان کو گھورتا رہا۔ لڑکی پاگل بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ معصوم صورت اور بچکانہ خدوخال والی تھی۔

''بھائی جان! دخل اندازی مت کیجئے۔ جانور بھی اکٹھے ہو کر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ پھر آدمی کیوں مہ باندھے بیٹھے رہیں۔''

''اگر یہ بات ہے تو ہم نے قطعی بُرا نہیں مانا..... آپ تو فلسفیوں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔''

''اس بار کڑاکا ایسا ہی تھا جیسے کہیں قریب ہی بجلی گری ہو۔''

''ارے باپ رے.....!'' قاسم کی زبان سے بیساختہ نکلا تھا اور معمر عورت کلمہ پڑھ کر گڑگڑانے لگی تھی۔ ''یا اللہ رحم کر..... ہمارے گناہ معاف کردے۔!''

لیکن شاہدہ اب بھی قہقہے لگا رہی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فطرت کی قہرمانیوں

کو چیلنج کر رہی ہو۔

''آپ لوگ کہاں تشریف لے جائیں گے۔'' ناصر نے قریب آ کر پوچھا۔

''وادی سرخاب کے لئے نکلے تھے.....لیکن دیکھیں اب مقدر کہاں لے جائے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اگر شاہدہ بی بی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنا پائپ سلگا لوں۔''

دوسرا جملہ اُس نے اتنی اونچی آواز میں ادا کیا تھا کہ شاہدہ تک پہنچ جائے۔

''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے.....اس غیر انسانی حرکت پر.....!''

''شاہدہ تم بکواس بند نہیں کرو گی۔'' ماں نے پھر آنکھیں نکالی تھیں۔ لیکن وہ لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر آتشدان کی طرف مڑ گئی۔

ہواؤں کا شور اب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ بارش میں بھی وہ تیزی نہیں تھی اور بجلی کے کڑاکے بھی مضمحل ہوتے جا رہے تھے۔

''کیا وہیں قیام ہے.....؟'' ناصر نے پوچھا۔

''جی.....نہیں.....تفریحاً نکل آئے تھے۔''

''ہم وہیں رہتے ہیں.....!'' ناصر بولا۔

دفعتاً قریب ہی کوئی بلی بولنے لگی تھی۔

''ممی.....!'' انہوں نے شاہدہ کی کپکپاتی ہوئی سی آواز سنی اور چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

بلی کی آواز نسبتاً اس بار قریب سے آئی تھی۔

''ممی.....!'' شاہدہ کی چیخ میں خوفزدگی کا عنصر غالب تھا۔

''قق.....قیا بات ہے ناصر صاحب۔'' قاسم ہکلایا۔

''کک.....کچھ نہیں۔''

''بھگاؤ اسے.....!'' شاہدہ سہمے ہوئے انداز میں چیخی تھی۔ لیکن بلی تھی کہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ ناصر اور معمر عورت کے چہرے فق ہو گئے تھے۔

حمید اور قاسم حیرت سے ایک دوسرے کو گھورتے رہے تھے۔

''بھگا دو.....خدا کے لئے بھگا دو۔!'' شاہدہ کی آواز میں رو دینے کا سا انداز پیدا ہو گیا

تھا۔

''ہوش میں آؤ شاہدہ..... دروازے بند ہیں۔'' معمر عورت اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی۔ ''وہ اندر نہیں آسکتی۔''

''میں بھگائے دیتا ہوں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''مم..... میں بھی ..... چل رہا ہوں۔'' قاسم نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پھر حمید سے پہلے وہی کمرے سے باہر نکلا تھا۔

اُن کے باہر آجانے کے بعد دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوا تھا اور بولٹ سرکنے کی آواز بھی آئی تھی۔

حمید نے ٹارچ روشن کرلی تھی اور صدر دروازے کی طرف بڑھتا رہا تھا۔

برآمدے میں سناٹا تھا۔ بلی نہ جانے کہاں چلی گئی تھی اب اُس کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ صرف بارش کا ہلکا سا شور فضا میں گونج رہا تھا۔

''امے واپس چلو.....!'' قاسم غرایا۔ ''اُلو بنا رہی ہے..... بجلی کے قزاقے پر ٹھٹھے لگائیں غی اور بلی کی میاؤں پر دم نکل جائے گا۔ میری ہوتی تو گردن ہی مروڑ دیتا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ برآمدے کے ایک تاریک گوشے میں کچھ دیکھنے کے لئے آنکھیں پھاڑتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے ٹارچ روشن کرلی۔ کوئی برآمدے سے کود کر باہر بھاگا تھا۔

''ٹھہرو..... ورنہ فائر کردوں گا۔'' حمید ڈپٹ کر بولا۔

''بلی کو دھونسا رہے ہو..... چگد کہیں کے۔'' قاسم منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

''نہیں! وہ کوئی آدمی تھا۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن قاسم جھپٹ کر اُس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ ''جاسوسی واسوسی نہیں چلے گی بتائے دیتا ہوں..... ڈرتی ہے تو ڈرنے دو سسٹر ان لا کو..... ہمارے ٹھینگے سے۔''

''پھر بھی دیکھنا تو چاہئے۔''

''آپ سالے خواہ مخواہ ہیرو بننے قی قوشش نہ فرمایئے۔ لونڈیا میں رکھا ہی قیا ہے۔ ہونہہ..... کھال اور ہڈیاں..... اُلو کی دم فاختہ برادران لانہیں تو.....!''

''مت بور کرو۔''

''اچھا تو مرو جا کر.....!'' قاسم نے اُسے دھکا دیا۔

''کک.....کیا بات ہے۔کون تھا.....؟'' انہوں نے ناصر کی آواز سنی۔

''قوئی بھی نہیں۔'' قاسم جلدی سے بولا۔''حمید بھائی بھی تمہاری بہن ہی کی طرح سنکی ہیں۔''

''آخر کیا بات تھی۔''

''اے بلا تھا..... بلی تو دوڑا لے گیا.....آپ بلے کو اردو میں دھمکی دے رہے تھے کہ ٹھہر تو جانا برادران لا ورنہ غولی ماردوں گا۔''

''کیوں حمید صاحب.....؟''

''جی ہاں.....ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔اگر کوئی بلا آدمی کی طرح دو ٹانگوں پر دوڑ سکتا ہو۔''

''اے جاؤ.....خواہ مخواہ الجھا رہے ہو معاملے کو.....وہ اُسے ٹہلا لے گیا۔اب نہیں آئے گی ادھر.....چلو واپس چلو.....بھوخ کے مارے میرا دم نقلا جا رہا ہے۔اچھی خاصی رات ہوگئی ہے۔بلا.....بلی.....موسم خوشگوار ہے۔رحم کرو بیچاروں پر۔''

وہ پھر کمرے میں واپس آئے۔شاہدہ یہاں فرش پر بیہوش پڑی تھی اور ماں اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہی تھی۔

''کمال ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''ایک بہت بڑی بدنصیبی۔'' ناصر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''سب چلتا ہے.....!'' قاسم بولا۔''میری ایک خالا جان قیچوے کو دیکھ کر بیہوش ہو جاتی تھیں اور میں انہیں چھیڑنے کے لئے قیچوے ڈھونڈتا پھرتا تھا۔''

''تم اپنی زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔''

''میں نے قہہ دیا نہیں چلے غی.....!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اسے ہوش نہیں آ رہا۔'' ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں ناصر کو مخاطب کیا تھا۔ناصر اُس کی طرف بڑھ گیا اور یہ دونوں جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

''شاہدہ.....شاہدہ.....بیٹی.....آنکھیں کھولو.....ہوش میں آؤ۔''

قاسم نے آہستہ سے جلے کٹے لہجے میں کہا۔''ہاں ہاں.....آنکھیں خولو.....اور پھر قوئی شوشہ چھوڑو.....ابے اب تو بھوخ قے مارے دم نقل رہا ہے۔چلو غاڑی سے ناشتہ دان لائیں۔''

''نہیں..... ٹھہرو.....!''

''ممی.....!'' شاہدہ منمنائی تھی۔ ''بھگا دیا۔''

''ہاں..... ہاں بھگا دیا.....اب نہیں ہے۔''

شاہدہ اٹھ کر بیٹھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''یہ لوگ کون ہیں؟''

''چلو چھٹی ہوئی۔'' قاسم ہنس کر بولا۔ ''سین نمبر دو شروع ہوتا ہے..... قیمرہ مین ریڈی.....اششلٹ کلیپ دو.....!''

''پلیز.....قاسم صاحب۔'' ناصر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''ہم بہت پریشان ہیں۔''

''سنئے جناب۔'' حمید تلخ لہجے میں بولا۔ ''ہم بھی کم پریشان نہیں ہیں۔''

''یہ ایک بیماری ہے۔ ذہنی طور پر مریضہ ہے میری بہن۔''

''خاموش رہو۔'' ماں نے اُسے للکارا۔ ''اجنبیوں کے سامنے سب کچھ اگل دینے کی ضرورت نہیں۔''

''چلو یار.....غاڑی میں بیٹھ کر خالیں گے۔'' قاسم نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور حمید دروازے کی طرف مڑ گیا۔

بارش تھم چکی تھی۔ لیکن برآمدے کے نیچے ایک ایک فٹ پانی کھڑا تھا۔ وہ چھپاک چھپاک کرتے ہوئے جیپ تک پہنچے۔

''بڑھیا خاصی جیالی معلوم ہوتی ہے۔'' حمید بولا۔

''شیر کی بچی.....اور جو چاہو تسلیم قرلوں.....لیکن اب ناشتہ دان۔''

قریب کھڑی ہوئی گاڑی کا دروازہ بھی کھلا تھا اور ناصر کی آواز آئی تھی۔ ''ہم بے حد شرمندہ ہیں.....کیوں نہ کھانا ساتھ ہی کھائیں۔''

''جی نہیں.....بس شکریہ۔'' قاسم بولا۔ ''اگر کھاتے وقت بھی کوئی ٹریجڈی ہوگئی تو میں بھوخا ہی مرجاؤں غا۔''

''خیر.....خیر.....ہم بے حد شرمندہ ہیں۔''

گاڑی کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ شائد ناصر بھی کھانے کی باسکٹ ہی نکالنے

آیا تھا۔

''قیا تفریح ہوئی ہے۔'' قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔''غاؤں.....غاؤں.....تم سالے ہو ہی منحوس.....اور میں اُلو کا پٹھا غواں.....غاؤں.....غاؤں۔''

''خاموشی سے کھاؤ۔''

''اندھیرے میں خاؤں یا ٹھونسوں.....کہیں ناشتے دان کا ڈھکن ہی حلق سے نہ اُتر جائے۔''

اور پھر واقعی ڈھکنا ہی چبا جانے کی نوبت آ گئی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اس بار صرف شاہدہ کی چیخیں نہیں سنی تھیں بلکہ وہ تینوں ہی چیخ رہے تھے۔

''لاحول ولا قوۃ.....اب کیا ہو گیا۔''

''ٹھینکے سے.....تمہیں جانا ہو تو جاؤ.....میں تو خاؤں غا.....مرنے دو سالوں قو۔''

حمید جیپ سے اُتر کر پھر اُدھر ہی دوڑا گیا تھا۔

اس بار عجیب منظر دکھائی دیا۔ کھانے کی باسکٹ میں ایک خوفناک قسم کا کوبرا پھن کاڑھے ہوئے ایک فٹ اونچا کھڑا تھا اور وہ دور کھڑے ہذیانی انداز میں چیخے جا رہے تھے۔

''خاموش ہو جایئے۔'' حمید نے چیخ کر کہا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے گراموفون پر کوئی ریکارڈ چلتے چلتے اچانک رک گیا ہو۔

''یہ کیا ہے.....؟''

''باسکٹ ہی میں تھا۔'' ناصر بولا۔''جیسے ہی باسکٹ کا ڈھکنا اٹھایا.....!''

''ہوں.....ٹھہریئے.....پہلے اس سے نپٹ لوں پھر بات کروں گا۔'' حمید آہستہ آہستہ باسکٹ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ سانپوں سے متعلق وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ فریدی سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کوئی بُرا وقت پڑ جاتا تو سپیرا بن کر بھی پیٹ پال سکتا تھا۔ قریب پہنچا ہی تھا کہ سانپ نے اُس پر پھن مارنے کی کوشش کی۔ حمید نے فاؤنٹین پن جیب سے نکالا اور تھوڑے فاصلے سے اُسے اُس کے سر پر نچانے لگا۔ پھر جیسے ہی ایک بار اُس کا پھن دوسری طرف گھوما حمید نے اُس کی گردن چٹکی سے جکڑ لی۔ پھن غائب ہو گیا اور اُس کا منہ پھیل کر رہ گیا۔ شاہدہ بھی چیخ پڑی تھی۔

حمید اُسے اسی طرح چٹکی میں دبائے ہوئے آہستہ آہستہ باسکٹ سے نکالتا رہا۔ پھر وہ

کسی بے ضرر کیچوے کی طرح اُس کے ہاتھ میں جھولتا رہ گیا تھا۔ پھیلے ہوئے منہ کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے اس نے انہیں اطلاع دی۔ ''زہر کی تھیلی نکال دی گئی ہے..... یہ صرف زخمی کرسکتا ہے مار نہیں سکتا۔''

''بہت ہو چکا۔'' اُس نے معمر عورت کی گونجیلی آواز سنی اور چونک کر اُن کی طرف متوجہ ہوگیا۔ عورت کے ہاتھ میں چمکدار براؤنی نظر آیا تھا۔ جس کا رخ اُسی کی طرف تھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''جو اس مہارت سے سانپ پکڑ سکتا ہے وہی اُسے باسکٹ میں رکھ بھی سکتا ہے۔''

''یقیناً رکھ سکتا ہے..... لیکن آپ نے مجھ بیچارے پر کیوں پستول تان رکھا ہے۔''

''اسے باسکٹ میں ڈال کر ڈھکنا بند کرو.....!'' عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''چلئے..... یہ بھی سہی۔'' حمید نے کہتے ہوئے اُس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

''اب فرمایئے۔'' وہ اُن کی طرف مڑا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

''خوب..... چلئے! اٹھ گئے ہاتھ بھی۔''

''ناصر اس کے ہاتھ باندھ دو۔''

''ممی..... پلیز..... جلد بازی اچھی نہیں..... غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔''

''بکواس مت کرو..... کیا ابھی تم نے اس سپیرے کا کرتب نہیں دیکھا۔''

''یہ تو میری ہابی ہے محترمہ۔ ورنہ میں تو ایک بے حد شریف آدمی ہوں۔'' حمید بولا۔

''میں کہتی ہوں باندھو اس کے ہاتھ..... اپنی ٹائی کھول لو..... خان شہباز کی بیٹی اتنی احمق نہیں ہوسکتی۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی ان سبھوں کو۔''

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں۔ وہ ناصر کو ٹائی کھولتے بھی دیکھ رہا تھا لیکن اُس کے چہرے پر تردد کے آثار بھی صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

طوعاً و کرہاً وہ حمید کی طرف بڑھا تھا۔ حمید نے دل میں کہا ''اچھا بڑی بی..... تمہاری ساری شہبازیت پل بھر میں پھر ہوجائے گی۔''

جیسے ہی ناصر اُس کے قریب پہنچا اُس نے بڑی پھرتی سے اُس کا ہاتھ مروڑ کر اپنے

سامنے کرلیا۔ اب پوزیشن یہ تھی کہ ناصر اُس کی ڈھال بنا ہوا اپنی ماں کو بے بسی سے دیکھے جارہا تھا۔ حمید کا بایاں بازو اُس کی گردن میں تھا اور وہ اُس کے سینے سے ٹکا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''اب اس طرح فائر کیجئے کہ گولی صاحبزادے کے دل کو چھیدتی ہوئی میرے دل میں ترازو ہوجائے۔''

''چھوڑ دو.....اسے چھوڑ دو۔''

''یہ کیا کررہی ہیں ممی.....!'' شاہدہ اچھل کر اُن کے درمیان حائل ہوگئی اور اُس نے پستول ماں کے ہاتھ سے چھین لیا۔ بڑی بی پر گویا سکتہ طاری ہوگیا تھا۔

حمید آہستہ آہستہ ناصر کے کان میں کہہ رہا تھا۔ ''فکر مت کرو.....مجبوری تھی۔ ورنہ آنٹی شائد سچ مچ فائر کردیتیں.....خان شہباز کا حوالہ کافی تھا میرے لئے۔''

پستول شاہدہ کے ہاتھ میں آتے ہی اُس نے ناصر کو چھوڑ دیا۔ اُدھر قاسم دروازے میں کھڑا کوئی بہت بڑا نوالہ حلق میں اتارنے میں مشغول تھا۔

''سین نمبر تیرہ.....تمام ہوا.....!'' وہ غاؤں غاؤں کرتا ہوا بولا اور شاہدہ ہنس پڑی۔ بڑی بی کسی تھکے ہارے چوپائے کی طرح ایک گوشے میں منہ ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔

''میرا کارڈ.....!'' حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر ناصر کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں.....!'' ناصر اُسے غور سے دیکھتا ہوا اچھل پڑا۔

''کیا سچ مچ مداری ہیں.....!'' شاہدہ نے پوچھا۔

''بلکہ بھکاری بھی ہے.....برادران لا.....!'' قاسم بولا۔

''حمید صاحب! ہمیں بے حد شرمندگی ہے۔ ممی یہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہیں۔'' بڑی بی کچھ نہ بولیں۔ البتہ شاہدہ جھپٹ کر آگے آئی تھی۔

''دیکھوں.....!'' اُس نے کارڈ ناصر سے جھپٹتے ہوئے کہا اور پھر وہ بھی نروس نظر آنے لگی تھی۔

''چلو بھئی پاپ.....کٹا.....!'' قاسم چہکارا۔

''تت.....تو.....یہ.....یہ.....!'' وہ قاسم کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ڈاکٹر ٹسڈل

کا بنایا ہوا کوئی دیو پیکر آدمی ہے۔''

''نہیں..... یہ اتنا ہی بڑا پیدا ہوا تھا۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''ابے جبان سنبھال تے ورنہ نقال دوں غا ساری قپتانی۔''

''وہ تو نکال ہی چکے ہو گے۔ میرے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا ہوگا..... اگر اب بھی پیٹ نہ بھرا تو ان کی باسکٹ میں ابھی بہت کچھ ہے۔''

''اچھا..... تم تو چڑیا کا کھانا لے کر چلے تھے..... بڑی خوشی ہوئی۔''

''نکال لو مرغ مسلم.....!''

''کیوں بی بی.....!'' قاسم نے شاہدہ سے پوچھا۔

لیکن اُس سے پہلے ہی بڑی بی بول پڑیں۔ ''مزید ہنگامے کی ضرورت نہیں۔ میں شرمندہ ہوں۔''

''ارے جناب! اس میں ہنگامے اور شرمندگی تی قیا بات ہے۔ خاؤں غا اور دعا دوں گا..... تو پھر خولوں باسقٹ.....؟''

''نہیں.....!'' شاہدہ جلدی سے بولی۔

''آپ کی مرجی..... میں قوئی ندیدہ تھوڑا ہی ہوں۔ اللہ آپ قو بہت دے۔''

''میں پوچھتا ہوں میرے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں۔'' حمید نے بھنا کر پوچھا۔

''بے خودی میں سب خاغیا..... تم تو سین نمبر تیرہ قرنے دوڑے آئے تھے۔''

''فکر نہ کیجئے..... باسکٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے گاڑی میں۔'' ناصر نے کہا۔

''آخر ہوا قیا..... یہ پستول وستول کیسا پکڑ رخا ہے شاہدہ بی بی۔''

''بس مذاق تھا موٹے بھائی..... پرواہ نہ کرو۔''

''میں بھی تو سنوں۔''

''بکواس بند کرو..... جاؤ اور ناشتہ دان دھو کر رکھ دو۔'' حمید نے کہا۔

''خاؤں بھی میں اور دھوؤں بھی میں ہی..... قسی اور قو اُلو بنانا.....!'' قاسم ترنگ میں آ کر بولا۔

''میں شروع ہی سے سوچ رہا تھا کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے۔'' ناصر نے حمید سے کہا۔

''اب ختم بھی کیجئے اس قصے کو۔''

''آپ سے بہت سے سوال کروں گی۔'' شاہدہ بولی۔

''ضرور.....ضرور.....لیکن ارتھمیٹک کا نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ مجھے نو دو گیارہ ہونا پڑے گا۔''

''اور میں نہ تین میں نہ تیرہ میں.....!'' قاسم بولا۔

''آپ تو مجھے پانچویں سوار معلوم ہوتے ہیں۔''

''ایسا نہ کہئے..... بیچارے گدھے کا کچومر بن جائے گا۔'' حمید بولا۔

''آپ بھی تو بیچارے غدھے ہی ہیں۔'' قاسم نے ہنس کر کہا۔ بے تحاشہ چہک رہا تھا۔ حمید کو بھی حیرت ہونے لگی تھی۔

''میں اور کچھ لا رہا ہوں..... باسکٹ خالی کر دی گئی تھی۔'' ناصر نے کہا۔

''تو پھر قیا ہے اس میں۔'' قاسم حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید اور ناصر باہر چلے گئے۔

''بیٹھ جاؤ موٹے بھائی۔ کب سے کھڑے ہو۔'' شاہدہ بولی۔

''شاہدہ۔'' بڑی بی سخت لہجے میں بولیں۔ ''میں اجنبیوں سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔''

''اجنبی .....نہیں تو ممی..... یہ بھی میرے باپ کے بیٹے ہیں۔ ابن آدم..... میں تو انہیں ہزار ہا سال سے جانتی ہوں۔''

''تم دونوں بھائی بہنوں نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔''

''ممی.....پلیز.....اجنبیوں کے سامنے اتنی ذاتی گفتگو بھی مناسب نہیں۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' بڑی بی آتشدان کی طرف کرسی گھما کر بیٹھ گئیں۔

''آپ نے ناراج قر دیا ممی قو.....!'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''دل کی بُری نہیں ہیں.....ابھی ہنسنے بولنے لگیں گی۔''

''تب تو بہت اچھی ہیں.....ایق میرا باپ ہے.....جلاد۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی باپ کے بارے میں اس قسم کی بات کہتے ہوئے۔'' بڑی بی نے کہا۔

''سچ قہہ رہا ہوں ممی.....! حمید بھائی سے پوچھ لیجئے غا۔''

''پھر بھی بچوں کو اس قدر بے باک نہ ہونا چاہئے۔''

''جی بہت اچھا۔'' قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔ شاہدہ کو ہنسی آ گئی۔

اچانک برآمدے سے دھینگا مشتی کی آوازیں آئی تھیں اور پھر جیسے کوئی جھپاک سے پانی میں گرا تھا۔

''خبردار..... فائر کردوں گا۔'' حمید کی آواز آئی۔ پھر ایک فائر بھی ہوا تھا۔

''شروع ہوگئی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بدبدایا۔

پھر راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز گونجی تھی اور دروازہ کھول کر ناصر اندر داخل ہوا تھا۔

''ممی..... پسٹل.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''مجھے دیجئے۔''

''کیا بات ہے؟''

''کوئی تھا برآمدے میں..... کیپٹن حمید اُس کے پیچھے تنہا گئے ہیں۔''

''تو تم کیا کرو گے؟''

''میں بھی جاؤں گا..... وہ تنہا ہیں۔''

''چلو بیٹھو..... وہ ایک تجربہ کار پولیس آفیسر ہیں۔ تمہیں تو تہذیب کھا گئی ہے۔ پستول پکڑنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔''

قاسم دروازے کی طرف جھپٹا تھا۔ لیکن برآمدے ہی میں کھڑا آنکھیں پھاڑتا رہ گیا۔ گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

''اے جرا ٹارچ تو لانا۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد ناصر کو آواز دی تھی۔

ناصر فوراً ہی آیا تھا اور اُس نے ٹارچ روشن کی تھی۔ روشنی کا دائرہ بالآخر ایک عجیب وضع کے جوتے پر جم گیا جو برآمدے کے وسط میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔

''ہائیں.....!'' قاسم حیرت سے بولا۔ ''یہ قیا ہے؟''

''جج..... جوتا.....!'' ناصر کی آواز کانپ رہی تھی۔

''جوتا ہے تو پھر اکبر اعظم یا جہانگیر کا جوتا شریف ہوگا..... میں نے تو خواب میں بھی کبھی ایسا جوتا نہیں دیکھا۔''

''ہوتا ہے..... ہوتا ہے.....!'' ناصر نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر اندر دوڑ

گیا تھا۔ قاسم ''ارے ارے'' ہی کرتا رہ گیا۔

پھر وہ بھی واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ راہداری میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ اس بار ناصر کے ساتھ بڑی بی بھی تھیں۔

وہ بھی جوتے کو حیرت اور ناگواری کے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے جھک کر اُسے اٹھایا تھا اور واپسی کے لئے مڑ گئی تھیں۔

قاسم وہیں کھڑا رہا۔ وہ دونوں جا چکے تھے۔

''بڑی بی قے بھوت بھائی کا ہوگا.....!'' وہ کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔ ''یہ جوتا تھا..... یا ابتدائی ہوائی جہاز کا موڈل..... پتا نہیں قیا چکر ہے۔ سالے حمید بھائی! قتنی بار قہوں کہ میرا تیرا ساتھ ہے ہی سالا منحوس.....!''

اس نے گانے کی کوشش کی تھی۔ پھر خیال آیا تھا کہ کیوں نہ چل کر حمید کو تلاش کیا جائے۔ لیکن کیچڑ پانی کی وجہ سے ہمت نہ پڑی۔ پہاڑ جیسے ڈیل سمیت اگر رپٹ کر گرا تو اٹھائے گا کون؟ مجبوراً انہی لوگوں کے پاس پھر واپس آنا پڑا تھا۔ لیکن اُن لوگوں کو جس حال میں پایا وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔ جوتا فرش پر رکھا ہوا تھا اور وہ تینوں خاموشی سے دیکھے جا رہے تھے۔

''قق..... قیا اب یہ اُڑے گا بھی۔'' اُس نے ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا تھا اور پھر شاہدہ بھی ہنس پڑی تھی۔

ماں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اسے سوٹ کیس میں ڈال دو۔''

''اس جوتے تو.....!'' قاسم کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں قاسم صاحب..... مجھے نوادرات اکٹھا کرنے کا شوق ہے۔ یہ جوتا پندرہویں صدی کا معلوم ہوتا ہے۔''

''جرور..... جرور..... لیقن ایک ہی تو ہے..... پتا نہیں پندرہویں صدی سے ادھر قیوں آ نکلا تھا کہ بیچارے قو ایک جوتا چھوڑ کر بھاغنا پڑا..... لل..... لیکن حمید بھائی۔''

''ہمیں انہیں تلاش کرنا چاہئے۔'' ناصر چونک کر بولا۔

''تو پھر چلو..... اقیلے یوں نہیں جا سکتا کہ اگر کیچڑ میں پھسل قر گرا تو اٹھوں گا قیسے۔''

''آپ پہنے کیوں نہیں لگوا لیتے قاسم بھائی۔'' شاہدہ نے پوچھا۔

''والد صاحب سے پوچھ قر بتاؤں غا.....!'' قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

وہ دونوں باہر آئے تھے۔ ناصر نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔

''آپ واقعی پانی میں نہ چل سکیں گے۔'' ناصر بولا۔ ''مجھے ہی جانے دیجئے۔''

''اقیلے نہیں جاسقتے آپ.....!''

''میں بچہ نہیں ہوں۔''

''اس قی بات نہیں.....ایق سے دو بھلے۔''

بہرحال وہ دونوں ہی نکلے تھے۔ احاطہ پار کر کے سڑک پر آئے۔ یہ جگہ ڈھلان پر تھی۔ اس لئے اتنی بارش ہونے کے باوجود بھی یہاں کیچڑ یا پانی نہیں تھا۔

ٹارچ کی روشنی تاریکی میں گردش کر رہی تھی۔ دفعتاً ایک جگہ روشنی کا دائرہ ٹھہر گیا۔

کوئی زمین پر اوندھا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ قاسم تو جھک بھی نہیں سکتا تھا۔ ناصر ہی نے اُسے سیدھا کیا تھا۔

''ارے باپ رے.....حمید بھائی۔'' قاسم کے حلق سے بے ہنگم آوازوں کیساتھ نکلا تھا۔

''بیہوش ہیں.....اُوہ.....سر سے خون بھی بہہ رہا ہے۔''

''میں تو جھک نہیں سقتا۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اٹھا سکو تو اٹھا قر میرے ہاتھوں پر رکھ دو۔''

بدقت تمام وہ زمین سے قاسم کے ہاتھوں پر منتقل ہوا تھا اور وہ اُسے اٹھائے ہوئے ڈاک بنگلے میں داخل ہوا۔

وہ دونوں بوکھلا گئیں۔

''اُوہ.....یہ تو زخمی ہیں۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔ ''ادھر لاؤ.....ٹھہرو میں فرش پر کمبل بچھاتی ہوں.....شاہدہ! کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ اٹھاؤ کمبل۔''

''میں جھک نہیں سکتا۔ ناصر میاں۔'' قاسم بولا۔ ''پھر اٹھاؤ اور لٹا دو۔''

ناصر اور شاہدہ نے حمید کو کمبل پر لٹا دیا تھا۔

یہ گھرانا خاصا محتاط معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس فرسٹ ایڈ بوکس بھی موجود تھا اور

اس میں برانڈی کی ایک بوتل بھی تھی۔

شاہدہ نے بڑی پھرتی سے سر کے زخم کی ڈریسنگ کی تھی۔

''اگر تھوڑی سی برانڈی بھی۔'' ناصر نے قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''نام بھی نہ لینا..... ورنہ ہوش میں آتے ہی مجھے قتل قر دے غا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''قہتا ہے..... کہ گدھی قا پیشاب شراب سے افجل ہے۔ جب گدھی کا پیشاب نہیں پیتا تو شراب قیوں پیؤں۔''

''کمال ہے.....!'' شاہدہ بولی۔

''اوران قے استاد تو نام ہی سے بدکتے ہیں۔''

''یعنی کرنل فریدی۔'' شاہدہ بولی۔

''نام نہ لیجئے ورنہ فوراً پہنچ جائیں غے۔'' قاسم نے ایسے انداز میں کہا کہ بڑی بی تک مسکرا پڑی تھیں۔

''اُس کا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ ایسی پرہیز گاری کے ساتھ نوابی کر گیا کہ لوگ آج بھی عش عش کرتے ہیں۔'' بڑی بی بولیں۔

''آپ جانتی ہیں۔''

''کیوں نہیں جانیں گے..... میرے باپ خان شہباز کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ نواب عزیز الدین خان۔''

''ہات تیرے کی..... نقل آئی رشتے داری بھی۔ اب لمبا گھپلا ہوغا.....!'' قاسم زیرِلب بڑبڑایا۔

''کیا کہا.....؟''

''جی کچھ نہیں۔ اپنے مقدر قو رو رہا ہوں۔ اب ہوش میں قب آؤ غے ہیرو بھائی.....!'' وہ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا تھا۔

''آپ آخر ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں قاسم صاحب۔'' شاہدہ جھنجھلا کر بولی۔

''ارے یہ..... یہ تو مجھے کسی ایسی جگہ دفن کرے غا جہاں ..... اپنی ایسی قی تیسی میں

جائے..... مجھے پھر بھوخ لغ آئی ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... ہم انتظار کرتے ہیں۔'' ناصر بولا۔ وہ باہر چلا گیا تھا اور بڑی بی حمید کو عطر سنگھاتی رہی تھیں۔ شاہدہ نے اُن کی نظر بچا کر باسکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

قاسم نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ کر باسکٹ پر ہاتھ ڈال دیا اور پھر ڈھکنا اٹھتے ہی جو پھپھکار بلند ہوئی ہے تو وہ بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا چاروں خانے چت گرا تھا۔

شاہدہ بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ اُدھر قاسم کی دھاڑ ہی حمید کی بیہوشی رفع کرنے کی وجہ بنی تھی۔ اس طرح بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا جیسے کسی مردے کے کان میں صور اسرافیل کی آواز پڑ گئی ہو۔

''کیا بات ہے..... کیا ہوا.....!'' وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قاسم کو دیکھتا ہوا بولا۔

''بھاگو بیٹا..... سب بھوت ہیں۔ کچے سانپ خاتے ہیں۔ ارے باپ رے۔''

ناصر بھی دوڑا آیا تھا۔ شاہدہ برابر ہنسے جا رہی تھی۔

''کس نے کھولا تھا باسکٹ۔'' اُس نے شاہدہ سے پوچھا۔ سانپ بے حد غصے میں ادھر اُدھر پھن مار رہا تھا۔ لیکن شائد باسکٹ سے نکل آنے کی ہمت اُس میں بھی نہیں تھی۔

''خود کھولا تھا..... انہوں نے۔''

بدقت تمام قاسم کو اٹھایا گیا تھا۔ ''ابے بھاگو'' وہ برابر کہے جا رہا تھا۔ ''بلی پندرہویں صدی کا جوتا پہن کر آتی ہے۔''

''کیا پاگل ہو گئے ہو..... خاموش رہو۔'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے ابھی تک گرد و پیش کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

''مم..... میں یہاں کیسے پہنچا۔'' اُس نے ناصر سے پوچھا۔

''ہم دونوں اٹھا کر لائے تھے۔''

''وہ بھاگا تو تھا..... لیکن میری گھات ہی میں تھا۔ جیسے ہی میں کمپاؤنڈ سے باہر نکلا عقب سے سر پر کوئی وزنی چیز ماری تھی اور پھر مجھے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔''

''پندرہویں صدی کا جوتا آیا تھا۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''تم خاموش رہو۔ کیوں بکواس کئے جا رہے ہو۔'' دفعتاً بڑی بی کو غصہ آ گیا۔

''اے محترمہ.....جرا تمیج سے۔''

''قاسم صاحب پلیز۔'' ناصر بولا۔''آپ نے باسکٹ کیوں کھولا۔''

''اپنی ہمشیرہ محترمہ سے پوچھئے.....انہوں نے کہا تھا۔''

''کیا میں نے کہا تھا ممی۔''

''نہیں.....میں نے تو نہیں سنا تھا۔'' بڑی بی نے کہا۔

''تو پھر میں ہی اُلو کا پٹھا ہوں غا.....سبھی ٹھیک ٹھاخ ہیں.....میں کہتا ہوں حمید بھائی نقل چلو.....ورنہ اغریہ بھوت ہماری غاڑی کا پٹرول پی گئے تو.....!''

''ذرا دیر خاموش رہو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کھاموش کھاموش قرتے اپنا بھی کباڑا قر لیتے ہو۔''

''پندرہویں صدی کے جوتے کی کیا بات تھی۔'' حمید نے بڑی بی سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں! اپنی خبر تو لو.....تم زخمی ہو۔''

حمید نے ناصر کی طرف دیکھا لیکن وہ صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا تھا اور اپنی ماں کی طرف اس طرح دیکھنے لگا تھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

''زخم اچھی طرح صاف کر دیا تھا نا.....!'' بڑی بی نے شاہدہ سے پوچھا۔

''جی ہاں ممی.....زخم گہرا نہیں ہے کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔خون بند ہو گیا ہے۔''

''ہائے ہائے.....جوتے قی بات قیوں نہیں کرتیں۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''اس بدتمیز کو روکئے حمید صاحب۔'' بڑی بی غرائیں۔

''اور.....وہ پھوں پھوں قئے جا رہا ہے اُس کا کسی کو بھی کھیال نہیں۔''

''ڈھکنا بند کر دو۔'' حمید نے قاسم ہی سے کہا۔

''قیا وہ میک اپ میں تمہارا برادر ان لا ہے کہ ڈھکنا بھی میں ہی بند قر دوں۔''

''بکواس مت کرو۔''

''قاسم صاحب! میں آپ کے لئے کھانا لایا ہوں۔'' ناصر نے کہا۔

''اور ناشتے دان سے اب کے چھچھوندر نکلے گی۔'' شاہدہ بول پڑی۔

''دیکھئے! جان نہ جلایئے میری۔''

''قاسم خدا کے لئے خاموش رہو۔ جو لوگ خود ہی کچھ چھپانا چاہتے ہوں اُن سے الجھنے سے کیا فائدہ۔ بارش رک گئی ہے۔ اب ہمیں چل دینا چاہئے۔''

''میں تو اس وقت سفر کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' شاہدہ نے کہا۔

''سوال تو یہ ہے کہ میں نے مشورہ کب طلب کیا تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''یہ باسکٹ بھی لیتے جایئے۔'' شاہدہ بولی۔

حمید نے باسکٹ کا ڈھکنا بند کر دیا تھا۔ دفعتاً شاہدہ آگے بڑھی تھی اور حمید کے راستے میں حائل ہوگئی تھی۔

''آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔'' اُس نے کہا۔

''میں خود بھی نہیں چاہتا..... لیکن ایسے حالات میں جبکہ ہم پر اعتماد نہیں کیا جارہا یہاں ٹھہر کر کریں گے ہی کیا۔''

''ممی بہت پریشان ہیں۔''

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں..... ورنہ وہ مجھ پر پستول نہ تان لیتیں..... اور یہ سانپ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ آخر وہ کون لوگ ہیں۔ جوتے کی کیا بات تھی۔''

''ہمارے نجی معاملات ہیں۔'' بڑی بی بولیں۔ ''ہم کسی کو بھی ان میں شریک نہیں کر سکتے۔ اپنے مسائل خود حل کرنے کے عادی ہیں۔''

''میں قانون کا ایک محافظ ہوں..... اس لئے خاموش بھی نہیں رہ سکتا۔''

اتنے میں ناصر نے حمید کو آنکھ ماری۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''ان سے نہ الجھو..... میں بتا دوں گا۔''

حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔''

''تو نہیں چلو گے تم۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''نہیں چلیں گے.....!'' شاہدہ نے اُس کی نقل اُتاری اور ہنس پڑی۔

''اے اللہ میاں! اب مجھے ہی بلی بنا دو۔'' قاسم دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر گھگھیایا۔ ''یہ برادران لاحمید بھائی تو دو کوڑی کا آدمی ہے۔ بس قوئی یلا یلی.....!''

''شٹ اپ.....!'' حمید اُسے گھورتا ہوا دھاڑا۔

''اچھا الامیاں! الفاج واپس.....اور اب یہ جرور جہنم میں جائے غا.....وِد مائی تھمپ۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' شاہدہ نے پوچھا۔

''یعنی میرے ٹھینگے سے۔'' قاسم اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا تھا۔

حملہ آور

صبح ہوتے ہوتے حمید کے علاوہ اور سبھوں نے خراٹے لینے شروع کر دیئے تھے۔ سر کی چوٹ کی تکلیف بڑھ گئی تھی ورنہ وہ بھی سو ہی گیا ہوتا۔

شاہدہ کا چنچل پن اُسے اچھا لگا تھا۔ یہ وادی سرخاب کا ایک معزز ترین گھرانہ تھا۔ انگریزوں کی عملداری سے پہلے اس علاقے پر اسی خاندان کی حکمرانی تھی۔ حمید نے فریدی کی زبانی ان لوگوں کے تذکرے سنے تھے۔

ناصر کا چچا آج بھی آدھی سرخاب ویلی کا مالک تھا۔ بس شہری آبادی میں اُس کا سکہ نہیں چلتا تھا۔ مضافات میں اب بھی انہیں کے خاندان کی حکومت تھی اور سیاسی نکتہ نظر سے خان اعظم کی شخصیت اتنی ہی اہم تھی کہ ملک پر کسی بھی سیاسی پارٹی کی حکومت ہو اُسے خان اعظم کا اسی طرح خیال رکھنا پڑتا تھا جیسے برطانوی حکومت شاہی خاندان کا رکھتی تھی۔

ناصر خان اعظم کے چھوٹے بھائی کا لڑکا تھا اور یہ لوگ شہر ہی میں رہتے تھے۔ ناصر کا باپ خان عظمت علی ترقی پسند رجحانات کا حامل تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے بچوں کو جدید دنیا اور جدید ترین علوم سے الگ نہیں رکھا تھا۔ اس کے برخلاف خان اعظم کٹر قسم کا قدامت پسند تھا۔ اپنے دیہی محل میں رہتا تھا اور شہر کا رخ بھی نہیں کرتا تھا۔

اُس نے انہی لوگوں کے بارے میں سوچتے سوچتے صبح کر دی۔ پھر قاسم کو جگایا تھا اور اُسے جگانے کی کوشش کے دوران میں دوسرے بھی بیدار ہو گئے تھے۔

''آپ کا قیام کہاں ہوگا حمید صاحب۔'' ناصر نے پوچھا۔

''غالباً گلریز میں ٹھہریں گے۔''

''کیوں نہ ہمارے ساتھ چلئے۔''

''نہیں شکریہ۔ تفریح تفریح نہیں رہتی اگر ہوٹل میں قیام نہ ہو۔''

شاہدہ نے بھی اسی پر اصرار کیا تھا۔ لیکن بڑی بی ٹھس بیٹھی رہی تھیں اور اُن کے چہرے پر ایسے ہی آثار پائے جاتے تھے جیسے اپنے بچوں کی عاقبت نا اندیشانہ باتوں پر دل ہی دل میں کڑھ رہی ہو۔

''شاید ہم راستہ بھی دوسرا اختیار کریں۔''

''یعنی سڑک سے نہیں جائیں گے۔''

''شارٹ کٹ۔''

ناصر کچھ نہ بولا۔ شاہدہ نے سوال کیا۔ ''ہم سے تو ملنے آئیں گے نا۔''

''اگر ہوش رہا۔'' قاسم بول پڑا۔

''تم تو بولو ہی مت موٹے بھائی۔''

''اچھا جھینگر بہن۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''شاہدہ تم باز نہیں آؤ گی۔'' بڑی بی اٹھتی ہوئی دھاڑیں۔ ''اُٹھو..... چلنے کی تیاری کرو۔''

حمید اور قاسم اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے تھے جب تک وہ لوگ روانہ نہیں ہو گئے تھے۔

''عجیب لوغ تھے۔'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہاں تھے تو..... اور وہ لڑکی شاہدہ۔''

''بس وہی تو یاد رہ جائے غی۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''والدہ صاحبہ اتنی لمبی چوڑی تھیں کہ تمہاری کھوپڑی میں سما ہی نہیں سکتیں۔''

دفعتاً حمید کچھ یاد کر کے بولا۔ ''جوتے کی کیا بات تھی۔''

''جب تم اُس کے پیچھے بھاگ گئے تھے تو برآمدے میں ایک عجیب شکل کا جوتا پڑا ملا تھا۔ اکبر اعظم یا جہانگیر بادشاہ کے زمانے کا معلوم ہوتا تھا۔ ناصر اندر دوڑا گیا تھا اور بڑی بی قو بلا لایا تھا۔ پھر وہ اُسے حیرت اور خوف سے دیکھتے رہے تھے اور بڑی بی نے اُسے سوٹ کیس میں رکھوا دیا تھا۔ اُسے میری شکل قیا دیکھ رہے ہو..... خواب تھوڑا ہی دیکھا تھا۔''

''اوہ.....ختم بھی کرو.....رات خواہ مخواہ غارت ہوئی۔ چلو اب نکل چلیں۔''

وہ برآمدے میں نکل آئے۔ بارش کا پانی اب تک کمپاؤنڈ میں کھڑا تھا۔ جیپ تک پہنچنے کے لئے انہیں جوتے اتارنے پڑے تھے۔

جیپ کمپاؤنڈ سے نکل کر پھر اُدھر ہی مڑی جدھر سے آئے تھے۔

''ہائیں کدھر چلے۔'' قاسم چونک کر بولا۔ ''قیا پھر کریم آباد.....؟''

''نہیں.....ایک میل پیچھے جا کر دوسرا راستہ اختیار کریں گے۔ جلد پہنچیں گے۔''

''ٹھیک ہے.....اب تو بھوک کے مارے دم نقلا جا رہا ہے۔''

''اسی طرح بھونکتے رہے تو دم بھی نکل آئے گی۔''

''تمہاری ایسی قی تیسی.....اب یاد آیا.....تم لونڈے۔قے سامنے میرا مذاخ قیوں اڑا رہے تھے۔''

''صرف تعارف کرایا تھا تمہارا.....اگر تفصیل نہ بتائی جائے تو تم دوسروں کی سمجھ میں قطعی نہیں آتے۔''

''نہیں.....تم مذاخ اڑا رہے تھے۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''قچھ بھی نہیں.....اب میں بھی مروت نہیں قروں غا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ چند میل سڑک پر چلنے کے بعد اُس نے جیپ ایک ایسے راستے پر موڑی تھی کہ قاسم پہلے ہی جھٹکے میں چیں بول گیا تھا۔

''ابے.....ابے یہ قیا.....مرنے قا ارادہ ہے۔''

''نہیں.....میں چاہتا ہوں کہ تم اس قدر تھلتھلاؤ کہ تمہاری جیلی بن جائے۔''

''میں نہیں جاؤں غا.....روکو غاڑی۔''

''کون سی آفت نازل ہوگئی ہے تم پر۔''

''کسی گڑھے میں جا گری جیپ تو قیا ہوغا۔''

''کچھ بھی نہیں.....بس ذرا سا مر جاؤ گے۔''

''مریں میرے دشمن.....واہ بھئی.....نہیں.....روقو غاڑی.....حرامی پن کی نہیں ہوتی۔''

''ہائیں..... ہائیں.....تم پھر اردو میں گالی بک رہے ہو۔''

''مجھے حرامی پن تی انگریزی نہیں مالوم.....!'' قاسم جھلا کر بولا۔

''انگریزی میں ہوتا ہی نہیں حرامی پن.....اسکی بجائے خیر سگالی کے دورے ہوتے ہیں۔''

''خیر سگالی کیا ہوتی ہے؟''

''تم نے دیکھا.....اردو میں آ کر اس میں بھی شامل ہوگئی گالی۔ خیر سگالی۔''

''ہو ہی نہیں سکتا.....تم غلط بول رہے ہو.....خیر سالی ہوگا۔'' قاسم کی جھلاہٹ بڑھتی رہی اور اونچی نیچی زمین کے جھٹکوں سے سچ مچ جیلی قسم کی کوئی چیز اُسے اپنے اندر تھلتھلاتی محسوس ہوتی رہی۔

''خیر سگالی ہی درست ہے۔''

اس پر خیر سگالی کو بھی ایک گندی سی گالی ہضم کرنی پڑی تھی اور قاسم بالکل ہی آؤٹ ہوگیا تھا۔

''تمہیں بھوک لگ رہی ہے نا۔''

''لگ تو رہی ہے.....!'' دفعتاً قاسم نرم پڑتا ہوا بولا۔''اس خیر سغالی میں بھول غیا تھا۔''

''اس راستے پر اسی لئے آیا ہوں کہ آگے ایک قصبے میں بھیڑوں کے بچے مسلم سیخوں پر بھونے جاتے ہیں۔''

''اے جاؤ۔'' قاسم منہ چلا کر بولا۔''وہاں پہنچ کر کہہ دو گے کہ مہنگائی کی وجہ سے بھیڑوں نے بچے ہی دینا چھوڑ دیا ہے۔''

''نہیں .....ایسی کوئی بات نہیں۔ یہاں کی بھیڑیں سیاسی تقریریں سن سن کر بچے دیتی ہیں اُن پر مہنگائی اثر انداز نہیں ہوتی۔''

تقریباً دو ڈھائی میل تک جھٹکے برداشت کرتے رہنے کے بعد قاسم کی جان میں جان آئی تھی۔ کیونکہ راستہ کسی قدر ہموار ہوگیا تھا اور پھر وہ اُس قصبے تک بھی جا پہنچے تھے جس کے تصور سے قاسم کے منہ میں بار بار پانی آتا رہا تھا اور حمید نے یہ بات بھی غلط نہیں کہی تھی کہ وہاں اُس ازلی بھوکے کا پیٹ بھرنے کا خاطر خواہ انتظام ہوجائے گا۔

کارواں سرائے کے سامنے اُس نے جیپ روکی تھی۔ وہاں ایک جیپ اور بھی موجود تھی

جس کا بونٹ اٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی انجن پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔

حمید اور قاسم اپنی گاڑی سے اُتر کر اُس حصے میں پہنچے تھے جہاں اشیائے خورد و نوش فروخت ہوتی تھیں۔ بھیڑوں کے مسلم بچے تو نہیں مل سکے تھے لیکن گوشت وافر مقدار میں موجود تھا۔ کڑھائی تکوں کا آرڈر دے کر حمید نے بیٹھنے کے لئے ایک گوشہ منتخب کیا اور وہ دونوں وہاں جا بیٹھے۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو نے قاسم کا دماغ مزید خراب کر دیا تھا۔ اُس کا بس چلتا تو کچے ہی گوشت پر ٹوٹ پڑتا۔ لیکن اب تو کڑھائی تکوں کی تیاری کا انتظام کرنا ہی تھا۔ دفعتاً حمید کو اپنے قریب وہی آدمی کھڑا دکھائی دیا جیسے وہ باہر دوسری جیپ کے انجن کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''کیا بات ہے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''کیا آپ شہر جا رہے ہیں۔'' اُس آدمی نے سوال کیا۔

''ہاں..... ہاں.....!''

''وہ بیچارہ زخمی ہے اور اُسکی گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ حالت اچھی نہیں۔ بہت سا خون ضائع ہو چکا ہے۔ اگر آپ اُسے لیتے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ڈیرہ غزن خان میں اُتار دیجئے گا۔''

کسی زخمی کا حال سن کر حمید نے اپنے سر کی بینڈ یج بھی ٹٹولی تھی اور بولا تھا۔ ''کیسے زخمی ہوا۔''

''پچھلی رات رہزنوں نے گھیرا تھا۔ ران میں گولی لگی ہے۔ اُوہ..... شاید آپ بھی تو زخمی ہیں۔''

''پچھلی رات کی بارش ہی کی دین ہے۔ پھسل کر گر گیا تھا۔'' حمید نے بینڈ یج پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''چلو..... میں اُسے دیکھوں گا۔''

''چلئے..... اُدھر کوٹھری میں ہے۔ بخار میں تپ رہا ہے۔''

حمید اٹھا تھا اور قاسم نے شکوہ کیا تھا۔ ''امے یہ قیا.....!''

''تکے آ جائیں تو تم کھانا شروع کر دینا۔'' اس نے کہا اور اجنبی کے ساتھ اُس کوٹھری میں آیا جہاں زخمی پڑا نیم بیہوشی کے عالم میں ہذیان بک رہا تھا۔ اُس نے سیاہ پتلون اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ چالیس سال رہی ہوگی۔ مضبوط جسم والا معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے جھک کر زخم دیکھا۔ گولی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔

''لیکن میں اسے اُتاروں گا کہاں..... یہ تو ہوش ہی میں نہیں ہے۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''صرف صورت آشنا ہوں جناب اور یہ بھی معلوم ہے کہ خان اعظم کے سپاہیوں میں سے ہے۔''

''غالباً ڈیرہ غزن خان میں خان اعظم کا منیجر رہتا ہے۔''

''جی ہاں..... بس اُنہی کی حویلی تک پہنچا دیجئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔ ذرا ہم کھانا کھالیں۔ کیا یہاں کوئی اس کے نام سے واقف ہوگا۔''

''شائد میر سرائے جانتا ہو۔ اُسی نے اس کے لئے یہاں انتظام کیا ہے۔''

''نام معلوم ہو جاتا تو بہتر تھا۔''

''میں ابھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ کو مطلع کردوں گا۔''

حمید پھر اُدھر ہی پلٹ آیا جہاں قاسم کو چھوڑا تھا۔ تکے تیار ہو گئے تھے اور قاسم بڑے انہماک سے کھا رہا تھا۔

''غاؤں..... غاؤں.....!'' وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''مجیدار ہیں..... چھ سات سیر تو میں ہی خا جاؤں غا..... تم اپنے لئے..... غاؤں..... غاؤں..... الگ سے منگوالو۔''

''کھائے جاؤ..... میری فکر نہ کرو۔'' حمید نے جل کر کہا۔

''نہیں..... ایق بوٹی چکھ سکتے ہو۔''

لیکن جب حمید کئی بوٹیاں کھا گیا تو اُس نے غرا کر کہا۔ ''بس..... اپنے لئے الگ منگوالو۔''

اتنے میں اجنبی واپس آ گیا اور اُس نے بتایا کہ زخمی کا نام نذر گل ہے۔

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''ہم اُسے ڈیرے تک پہنچا دیں گے۔''

جب وہ چلا گیا تو قاسم بولا۔ ''خواہ مخواہ کیوں پڑتے ہو اس چکر میں۔''

''میں سوچ رہا ہوں۔ کہیں یہ وہی آدمی نہ ہو جس پر میں نے اندھیرے میں فائر کیا تھا۔ زخمی ہو جانے کے بعد بھی میری تاک میں رہا ہو اور میری کھوپڑی کی یہ درگت بنائی ہو۔''

''تمہاری کھوپڑی قی تو میں..... غاؤں غاؤں..... قسی دن درگت بناؤں غا۔''

حمید کے لئے بھی تکے آ گئے تھے اور پھر تھوڑی دیر بعد روانگی کی ٹھہری تھی۔ کئی آدمیوں

نے زخمی کو اٹھا کر جیپ کی پچھلی سیٹ پر ڈالا تھا۔ گاڑی کے حرکت میں آتے ہی قاسم نے اونگھنا شروع کر دیا۔

''ابے..... کہیں سر ڈیش بورڈ سے نہ ٹکرا جائے۔'' حمید چیخ کر بولا تھا۔

''قیا ہوا.....؟'' قاسم چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔

''آنکھیں کھلی رکھو..... ورنہ لڑھک کر کسی کھڈ میں جا گرو گے۔''

''باڈی کے فریم میں پھنس جاؤں غا..... لڑھک نہیں سکتا..... اب میں قیا قروں۔ پچھلی سیٹ پر تو وہ پڑا ہوا ہے۔''

عذر معقول تھا۔ چھ سات سیر گوشت ڈبو ہی سکتا ہے۔ اڑان پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ اگر اُسے مسلسل غصہ دلایا جائے تو نیند ہوا ہو جائے گی اور پھر اُس نے اُس کی دکھتی ہوئی رگوں کو چھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ نتیجہ مثبت نکلا۔ یعنی قاسم کی کھوپڑی رقتدیں لگانے لگی اور زبان نے تالو سے نہ لگنے کی قسم کھالی۔

بہر حال وہ دونوں ہی زبانوں کے لٹھ چلاتے ہوئے ڈیرہ غزن تک پہنچے تھے۔ منیجر کی حویلی میں خاصی پوچھ گچھ ہوئی تھی اور حمید نے وہی بتایا جو زخمی کے بارے میں سرائے میں سن چکا تھا۔ اپنے بارے میں اتنا ہی بتایا کہ وہ دونوں تفریحی سفر کر رہے ہیں۔

خان اعظم کا منیجر گھماؤ پھراؤ کے ساتھ کئی بار ایسے سوالات کر چکا تھا جن کے جوابات سے شائد اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ خود زخمی نے انہیں کیا بتایا ہے۔

''کچھ بھی نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ شروع سے اب تک نیم بیہوشی کی حالت میں رہا ہے۔ ہذیان کے علاوہ اُس کی زبان سے ہم نے کچھ بھی نہیں سنا۔''

''کس قسم کا ہذیان..... زبان سے کس قسم کے الفاظ نکل رہے تھے۔'' منیجر نے پوچھا۔

''میں نے توجہ نہیں دی.....!'' حمید بیزاری سے بولا۔

''تب پھر ہمیں اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔'' منیجر طویل سانس لے کر بولا۔ ''ان رہزنوں نے بہت سر اٹھایا ہے۔ خان اعظم اب اپنی عملداری میں ان کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔''

حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور قاسم کی کمر تھپک کر بولا۔ ''چلو.....!''

ویسے وہ لوگ قاسم کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور وہ یہی محسوس کرنے لگا تھا جیسے وہ اُسے انہی رہزنوں سے متعلق سمجھتے ہوں۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اگر نذر گل اسی کی گولی سے زخمی ہوا تھا تو وہ دوسروں کو رہزنوں ہی کی کہانی سناتا لیکن آخر وہ لوگ یہ جاننے پر کیوں مصر تھے کہ زخمی نے اُسے کیا بتایا ہے۔ کیا سرائے میں سنے جانے والے الفاظ سے مطمئن نہیں تھے؟ آخر کیوں؟ اور اگر نذر گل وہی آدمی تھا جس کا اس سے ٹکراؤ ہوا تھا اور اُس نے محض دھمکانے کے لئے اُس پر فائر کیا تھا جب وہ بھاگ رہا تھا تو اس وقت ڈاک بنگلے میں اس کی موجودگی کا مقصد.....؟

جیپ میں بیٹھتے وقت اُس نے محسوس کیا کہ وہ لوگ انہیں کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

''دیکھا۔'' قاسم سیٹ پر بیٹھتا ہوا غرایا۔ ''سالے مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے میں ہی تو رہزن ہوں۔''

''معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔''

''معاملہ نہیں۔ میرے مقدر گڑبڑ ہے۔'' قاسم بھڑک کر بولا۔ ''تمہارا ساتھ ہوا اور آئی شامت۔''

''کیوں بکواس کئے جا رہے ہو۔ میں نے کسی معاملے میں ٹانگ تو نہیں اڑائی..... جہنم میں جائیں۔''

''کھیر..... ماروغولی..... وادی سرخاب میں سیخ کباب.....!'' قاسم نے کہا اور پچ سے تھوک کی پچکاری مار کر منہ چلانے لگا۔

جیپ آگے بڑھ گئی تھی۔ قاسم نے کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ جس نے اس طرح ہونٹ بھینچ رکھے تھے جیسے بہت شدت سے بور ہو رہا ہو۔

''یار اب میں سوچ رہا ہوں۔'' قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔''

''تھوڑی تھوڑی جاسوسی آ رہی ہے کھوپڑی میں۔''

''بور کرو.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''یار وہ لونڈیا..... بجلی کے کڑاکے پر تو قہقہے لگا رہی تھی اور بلی کی ''میاؤں'' پر بیہوش

ہوگئی اور پھر اُس جوتے کو دیکھ کر تو اُن تینوں ہی قادم نقل گیا تھا۔ پہلے اُسے ناصر نے دیکھا تھا پھر دوڑا غیا تھا بڑی بی کو بلانے اور وہ بڑی بی جو اتنی اکڑ دکھڑ دکھاتی رہی تھی اُس جوتے کو دیکھ کر جیسے مر ہی گئی تھیں.....اور پھر اُسے بڑی احتیاط سے سوٹ کیس میں رکھوا دیا تھا۔''

''یہ تو طے شدہ بات ہے کہ وہ تینوں ہمارے وہاں پہنچنے سے بھی خائف ہوگئے تھے۔ ورنہ بڑی بی مجھ پر پستول کیوں تان لیتیں۔''

''اچھا تو پھر.....وہ سانپ قیوں لئے پھر رہے تھے ساتھ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''اُن کی لاعلمی میں کسی نے کھانے کی باسکٹ میں رکھ دیا تھا۔لیکن وہ قطعی بے ضرر تھا۔ زہر کی تھیلی نکال لی گئی تھی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی انہیں صرف دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا۔ اُن میں سے کسی کی زندگی کا گاہک نہیں تھا۔اُوہ یاد آیا۔ بڑی بی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ ہمارے نجی معاملات ہیں۔ہم خود ہی نپٹ لیں گے۔کسی غیر کو اس میں شریک نہیں کر سکتے۔''

''اور بڑی بی کے باپ تمہارے قرنل صاحب قے دوست تھے۔وہ یہی قہہ رہی تھیں۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''ٹھینگے سے.....میں تو اس لونڈیا کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''وہ مجھے سچ مچ ذہنی مریضہ ہی معلوم ہوتی ہے۔''

''تو پھر چلو غے اُن قے گھر۔''

''ضروری نہیں۔''

''اے جاؤ.....جس گھر میں قوئی لونڈیا ہو.....وہاں تم نہ جاؤ۔''

''ضرور جاتا.....لیکن جس طرح تمہیں قاسم بھائی کہہ رہی تھی۔ مجھے بھی رو میں حمید بھائی کہہ گئی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔''

قاسم ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسا تھا۔

اچانک ایک زور دار دھماکہ ہوا اور جیپ اچھل پڑی۔حمید نے پورے بریک نہ لگائے ہوتے تو دوسری بار اُلٹ ہی گئی ہوتی۔قاسم کا سر ونڈ اسکرین سے ٹکرایا تھا۔

''ارے باپ رے۔'' وہ کراہ کر رہ گیا۔

''پچھلا ٹائر فلیٹ ہوا ہے۔بم نہیں پھٹا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

وہ نیچے اُترا ہی تھا کہ ادھر اُدھر کی چٹانوں کی اوٹ سے پانچ رائفل برداروں نے نکل کر جیپ کو گھیرے میں لے لیا۔ رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

اُن پانچوں نے اپنے چہرے پگڑیوں کے بلوں میں چھپا رکھے تھے۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور اُن آنکھوں میں سفاکی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

''ہمارے ساتھ چلو۔'' اُن میں سے ایک نے رائفل کی نال کو جنبش دے کر کہا۔

ان دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے اور انہیں حیرت سے دیکھے جا رہے تھے۔

''مگر کیوں.....؟ تم کون ہو؟'' حمید بالآخر بولا۔

''چلو.....ورنہ جس طرح ٹائر پھاڑا تھا تمہارے سروں کے پرخچے بھی اڑا سکتے تھے۔''

''اچھا تو کیوں نہیں اڑائے پرخچے۔''

''یہ بھی ہو جائے گا اگر تم نے حکم کی تعمیل نہ کی۔''

''قہاں کے لاٹ صاحب ہو حکم دینے والے۔'' قاسم غرایا تھا۔

''خاموشی سے حکم مان لو۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''تمہاری وجہ سے مجبوری ہے۔ ورنہ دیکھتا ان پانچوں رائفلوں کو۔''

''میری وجہ سے قیا مجبوری ہے۔''

''ایک گولی بھی پڑ گئی تو تربوز کی طرح پھٹ جاؤ گے۔''

''ہاں..... یہ بات تو ہے.....!'' قاسم نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ ''میں تمہاری طرح پھرتی سے پینترے بھی نہیں بدل سکتا۔''

''کیا سنا نہیں تم لوگوں نے۔''

''کہاں لے چلو گے.....؟'' حمید نے بڑے رسان سے پوچھا۔

لیکن اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے وہ قاسم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو ابھی جیپ ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''نیچے اُترو۔'' رائفل والے نے اُس سے کہا۔

''اتنا بھاری ہوں کہ جنبش بھی نہیں کر سکتا۔ تمہی لوگ اُتار لو قسی طرح۔'' قاسم نے بیحد سنجیدگی سے کہا تھا۔

''بیٹھے کس طرح تھے۔''

''پہلے اونٹ پر بیٹھا تھا پھر اونٹ نے سیٹ پر بٹھا دیا تھا۔''

''بکواس مت کرو.....ورنہ زخمی کر کے نیچے کھینچ لیں گے۔''

''آخر قصور بھی تو معلوم ہو۔'' حمید بولا۔

''ہم نہیں جانتے۔اس سے کہو نیچے اُترے۔ورنہ سچ مچ گولی ماردوں گا۔'' کہہ کر اُس نے رائفل کا بولٹ سرکایا تھا۔

''اُتر بھی آؤ۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔''کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی۔تمہیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال ایک آدمی نے جوتے مار مار کر تمہیں بھینس کے پائے کھلائے تھے۔''

''قون مارے غا سالا.....!'' قاسم غرایا۔

''اُو بھائی.....!'' حمید آہستہ سے رائفل والے سے بولا۔''اس سے کہو کہ بکرے کی تین رانیں بھنی رکھی ہیں۔رائفل کی نال پر بھی بیٹھ کر تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔''

''تم ہی کہو.....!'' وہ غرایا۔

''میری بات کا اثر نہیں ہوگا۔''

''شائد تم دونوں پاگل ہو۔'' وہ آدمی بھنا کر بولا۔

''یہ کیسے سمجھ لیا تم نے۔''

''یہ سچ مچ کی رائفلیں ہیں۔''

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ کھلونے ہیں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

اچانک پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کی گردن پر رائفل کا کندہ رسید کر دیا۔وہ دھڑام سے نیچے چلا آیا اور گرتے ہی بے حس و حرکت ہوگیا۔

''ابے اور حرام جادے.....یہ کیا قر دیا تو نے۔'' قاسم دھاڑتا ہوا جیپ سے نیچے اُترا تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رائفلوں کی نالیں تک چبا ڈالے گا۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس پر بھی رائفلوں کے کندے پڑنے لگے تھے۔

وہ چیختا رہا.....دھاڑتا رہا۔لیکن وہ بڑے پھرتیلے تھے۔ایک بھی اُس کے ہاتھ نہ آسکا اور پھر اُس کا بھی وہی حشر ہوا جو ذرا دیر قبل حمید کا ہوا تھا۔

کریم آباد کے ڈی ایس پی سٹی نے مضطربانہ انداز میں کرنل فریدی کی طرف دیکھا جو اُس کی کہانی سن کر غضب ناک انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔

''وہ گولی کہاں ہے جو جیپ کے ٹائر کے اندر سے برآمد ہوئی تھی۔'' اُس نے ڈی ایس پی کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''لیبارٹری میں..... ایکسپرٹ کی رپورٹ کے مطابق تھری ناٹ تھری کی گولی ہے۔''

''پوری رپورٹ چاہئے۔''

''ابھی منگوائے دیتا ہوں۔'' کہہ کر اُس نے فون کا ریسیور اٹھایا تھا۔ نمبر ڈائیل کئے اور کسی سے رپورٹ لانے کو کہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ براہِ راست پلین ہی سے کیوں نہیں گیا تھا۔ یہاں اُتر کر آپ کی جیپ کیوں لے گیا۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''اور پھر آپ کے بیان کے مطابق جیپ سرخاب ویلی کی سڑک کی بجائے ڈیرہ غزن خان کے نواح میں ملی تھی۔''

''جی ہاں! مجھے بھی اس پر حیرت ہے۔ وہ خان اعظم کا علاقہ ہے۔''

''مجھے علم ہے۔''

''اُن کے علاقے سے رہزنی کی رپورٹیں بھی ملتی رہتی ہیں۔''

''سوال یہ ہے کہ رہزن اُن دونوں کو کہاں اور کیوں لے گئے۔ رہزنی کا مقصد ہوتا ہے ڈاکہ..... اگر دونوں مارے بھی گئے تو لاشیں ہی ملنی چاہئے تھیں۔''

''میں خود بھی حیران ہوں۔''

''آپ کہتے ہیں کہ اُس دن اُس نواح میں طوفانی بارش ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں وہ شارٹ کٹ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''لیکن اُدھر تو وہ دوسرے دن پہنچے تھے۔ کارواں سرائے سے یہی معلوم ہوا تھا۔ اُن کے ساتھی کی وجہ سے ان لوگوں کو وہاں اُن کی آمد یاد رہی تھی۔''

''دوسرے دن کا یہ مطلب ہوا کہ راستے ہی میں کہیں رک کر انہوں نے رات گزاری تھی.....لیکن کہاں.....؟''

''ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز میں بھی گزار سکتے ہیں۔''

''لیکن ڈیرہ غزن کا راستہ ریسٹ ہاؤز سے دو ڈھائی میل ادھر ہی سے گیا ہے۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ رات انہوں نے ریسٹ ہاؤز میں گزاری ہو اور صبح کو پھر پلٹے ہوں اور ڈیرہ غزن کا راستہ اختیار کیا ہو؟''

''الٹی کھوپڑیاں سب کچھ کر گزرتی ہیں۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ اُس کی آنکھوں سے گہری فکرمندی ظاہر ہو رہی تھی۔

''کارواں سرائے میں اور کیا معلوم ہوا تھا۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''یہی کہ رکے تھے اور چھ سات سیر کے قریب کڑاہی تکے کھائے تھے اور آگے بڑھ گئے تھے۔ خوش خورا کی کا ذکر حیرت سے کیا گیا تھا۔''

''وہ دوسرا آدمی بلا خور ہے۔ ہوسکتا ہے اسی لئے انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا ہو۔ تو پھر تفتیش کا آغاز ریسٹ ہاؤز ہی سے کرنا چاہئے۔''

''کیا فائدہ۔'' ڈی ایس پی بولا۔ ''جیپ تو ڈیرہ غزن میں ملی تھی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے وہ راستہ کیوں اختیار کیا اور پھر دوسرے دن .....اُسی دن کی بات بھی ہوتی تو نظر انداز کی جاسکتی تھی۔ آخر انہوں نے رات کہاں بسر کی۔''

''کیا میں بھی چلوں۔''

''نہیں.....اس کی ضرورت نہیں۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے کرنل صاحب۔''

''بھول جاؤ۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے دشواریوں میں ڈالتے رہنا اُس کی ہوبی ہے۔''

پھر وہ پولیس اسٹیشن سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور وادی سرخاب والی سڑک پر ہولیا تھا۔

اُسے علم تھا کہ حمید نے پلین میں دو سیٹیں وادی سرخاب کے لئے بک کرائی تھیں۔ لیکن کریم آباد ہی میں پلین کے سفر کو خیر باد کہہ کر ڈی ایس پی سٹی کی جیپ حاصل کی اور بقیہ سفر

بائی روڈ طے کرنے کی ٹھانی۔ آخر کیوں؟ ٹائیفائڈ سے اٹھا تھا۔ یوں بھی طویل ڈرائیونگ مناسب نہیں تھی۔ خیر اگر اسے افتادِ طبع کا نتیجہ باور کرلیا جائے تو سیدھا سادھا راستہ ترک کر کے ڈیرہ غزن والا دشوار راستہ اختیار کرنے والی بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور پھر دوسرے دن۔ رات اگر ریسٹ ہاؤز میں گزاری تھی تو دوسرے دن وہیں سے سڑک پر سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ کئی میل پیچھے پلٹ کر راستہ کیوں اختیار کیا۔

فریدی اُس راستے کو نظر انداز کر کے سڑک ہی پر کار ڈرائیو کرتا ہوا ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز تک جا پہنچا۔ وہاں سناٹا نظر آیا۔ کمپاؤنڈ میں کوئی گاڑی بھی موجود نہیں تھی۔ برآمدے میں پہنچ کر اُس نے محافظ کو آوازیں دیں۔

اُس نے ایک کمرے سے برآمد ہو کر کہا۔ ''سٹنگ روم کھلا ہوا ہے جناب۔ میں گاڑی سے سامان اُتارتا ہوں۔''

اُسکے چہرے سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی اور آواز میں کراہنے کا سا انداز پایا جاتا تھا۔

''نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔ میں قیام نہیں کروں گا۔ تھوڑی سی پوچھ گچھ کرنی ہے۔ آؤ سٹنگ روم ہی میں چلیں۔''

''جج.....جی بہت اچھا۔'' اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

دونوں سٹنگ روم میں آئے اور فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں صاحب! ٹھیک ہے۔''

''بیٹھ جاؤ۔ تم کچھ بیمار بیمار سے لگ رہے ہو۔''

''جی ہاں.....!'' وہ کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''کئی دن سے سرِشام بہت تیز بخار ہو جاتا ہے۔ رات بھر بھنتا رہتا ہو.....صبح نو بجے تک اُتر جاتا ہے۔''

''کوئی دوا وغیرہ۔''

''جوشاندہ.....صاحب۔''

''نہیں.....اس سے کام نہیں چلے گا۔ میں تمہیں دوا دوں گا۔ ہفتے کی شام کو یہاں دو آدمی آئے تھے۔ اُن میں سے ایک بہت لمبا چوڑا تھا۔''

''ہفتے کی شام کو۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''جب تک میں ٹھیک تھا اُس وقت تک تو کوئی

بہت لمبا چوڑا آدمی نہیں آیا تھا..... سردی لگنی شروع ہوئی ہی تھی کہ خان عظمت کے گھرانے کے کچھ لوگ آئے تھے۔ آپ جانتے ہوں گے خان اعظم کے چھوٹے بھائی کو۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"میں نے کنجیاں اُن کے حوالے کی تھیں اور معذرت کر کے اپنی کوٹھری میں چلا گیا تھا۔ پھر مجھے ہوش نہیں۔ اُس کے بعد اگر کوئی آیا ہو تو میں نہیں جانتا۔"

"دوسری صبح تو..... تم نے انہیں رخصت کیا ہوگا۔"

"نہیں جناب! نو بجے آنکھ کھلی تھی تو کنجیاں سرہانے رکھی پائی تھیں اور وہ لوگ جو چکے تھے۔ ریسٹ ہاؤز میں کوئی بھی نہیں تھا۔"

"سنا ہے اُس شام بہت تیز بارش ہوئی تھی۔"

"جی ہاں..... کچھ یاد پڑتا ہے..... وہ لوگ بارش ہی کے آثار دیکھ کر یہاں رکے تھے ورنہ نکلے چلے جاتے۔"

"وہ کتنے آدمی تھے؟"

"شائد تین..... خانم تھیں، اُن کا بیٹا اور بیٹی۔"

"ہوسکتا ہے وہ دونوں بعد میں آئے ہوں۔ تمہیں خبر ہی نہ ہو۔"

"ہوسکتا ہے جناب عالی۔"

"تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"نہیں جناب۔ اُس دن مالی بھی نہیں تھا۔ اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اُس کی بیوی بیمار ہے۔"

"اچھا تو گاڑی تک چلو..... میں تمہیں دوا دے دوں۔ دن میں تین بار ایک ایک ٹکیہ لیتے رہنا۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"خدا خوش رکھے جناب۔ ذرا دیر نہیں ٹھہریں گے کہ میں آپ کیلئے چائے بنا دوں۔"

"نہیں شکریہ۔ پھر کبھی.....!" وہ اُس کا شانہ تھپک کر بولا۔

"کیا کوئی کھو گیا ہے جناب۔"

"ہاں..... وہ دونوں ہفتے کو ادھر ہی آئے تھے اس کے بعد سے ان کا کوئی پتہ نہیں۔"

"خدا کرے مل جائیں۔"

وہ فریدی کے ساتھ گاڑی تک آیا تھا اور فریدی نے ڈکے کھول کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا تھا اور ایک شیشی اُسے پکڑا دی تھی۔ پھر پرس سے دس دس کے تین نوٹ کھینچے تھے اور اُسے دیتا ہوا بولا۔ ''اس دوا کے ساتھ دودھ ضرور استعمال کرتے رہنا۔''

''اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔''

فریدی گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ اُس کی نظر برآمدے کے نیچے کیچڑ کے ایک ڈھیر پر پڑی اور پھر وہاں کوئی ایسی ہی چیز دکھائی دی تھی کہ وہ پھر گاڑی سے اُتر آیا تھا۔

محافظ بھی اُسی طرف متوجہ ہوگیا کیونکہ فریدی کیچڑ کے ڈھیر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

پہلے اُس نے جوتے کی ٹو سے سیاہ رنگ کے چمڑے کے اُس تسمے کو چھوا تھا جو کیچڑ کے ڈھیر پر اُبھرا ہوا نظر آیا تھا۔ پھر جھک کر اُسے نکال لینے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ محافظ بھی پاس آ کھڑا ہوا لیکن خاموشی سے دیکھتا رہا۔

تسمے کے دوسرے سرے پر کیچڑ سے لتھڑی ہوئی جو چیز نظر آئی تھی وہ ایک ٹیپ ریکارڈر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔

''پتا نہیں کس کا گر گیا ہے۔'' محافظ بڑبڑایا۔

''ذرا دوڑ کر کسی برتن میں پانی تو لاؤ۔'' فریدی نے اُس سے کہا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیپ ریکارڈر دھل دھلا کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

''کیا خیال ہے۔ یہ بارش ہی والی رات کو یہاں گرا ہوگا اور اس کا مالک اندھیرے کی وجہ سے اسے تلاش نہ کرسکا ہوگا۔'' فریدی نے محافظ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خدا ہی جانے۔''

''یہی بات ہوسکتی ہے۔ ورنہ وہ اسے چھوڑ نہ جاتا۔'' فریدی نے اُس کا سوئچ آن کرتے ہوئے کہا۔ خلاف توقع سیل ضائع نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ کیسٹ گھومنے لگا تھا۔

پہلے تو محافظ کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی تھی۔ پھر وہ ہنس پڑا تھا۔ کیونکہ ٹیپ ریکارڈر سے کسی بلی کے مسلسل ''میاؤں، میاؤں'' کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

فریدی نے کیسٹ کو ریوائنڈ کیا اور پھر سننے لگا۔ بہرحال پورے کیسٹ میں صرف بلی ہی کی آواز بھری ہوئی تھی۔

''اچھی بات ہے..... میں اسے لے جارہا ہوں۔'' اُس نے محافظ سے کہا۔''ممکن ہے یہ عظمت محل ہی والوں کا ہو۔ میں اُدھر ہی جارہا ہوں۔''

''جیسی مرضی جناب کی۔''

پھر فریدی وادی سرخاب کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ ایک جگہ گاڑی روک کر اُس نے ٹیپ ریکارڈر اٹھایا اور کیسٹ نکال کر اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پھر الٹ کر ٹیپ ریکارڈر میں لگایا اور سوئچ آن کردیا۔ اس طرف مختلف فلموں کے گانے ریکارڈ کئے ہوئے تھے۔

اُس نے طویل سانس لی تھی اور سوئچ آف کرکے دوبارہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا تھا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ سرخاب ویلی میں داخل ہوا اور سیدھا عظمت محل کی طرف نکلا چلا گیا۔

پھاٹک پر چوکیدار نے اُس کا نام معلوم کیا تھا اور فون پر اُس کی آمد کی اطلاع کسی اور کو دی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فریدی سے بولا تھا۔''آپ اندر تشریف لے جاسکتے ہیں جناب۔''

اس کا استقبال ''دیوان خانے'' میں کیا گیا تھا۔ خود خانم موجود تھیں۔ ناصر اور شاہدہ تو بچھے جارہے تھے۔

رسمی باتوں کے بعد دفعتاً خانم نے لہجہ کسی قدر بگاڑ کر کہا۔''اگر پرانے خاندانی تعلقات مدنظر نہ ہوتے تو میں ملنے سے انکار کردیتی۔''

''مجھ سے کون سا قصور سرزد ہوا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں نے تمہارے اسسٹنٹ کیپٹن حمید سے صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارے نجی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کی جائے گی۔''

''تو وہ اُس رات ریسٹ ہاؤز ہی میں تھا۔''

''ہاں وہیں تھا۔''

''تو پھر مجھے قطعی علم نہیں کہ اُس نے آپ کے کس نجی معاملے میں دخل اندازی کی تھی۔ کیونکہ میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔''

''میں انہیں اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا۔'' ناصر بول پڑا۔''لیکن شائد انہوں نے کسی وجہ سے ڈیرہ غزن خان والے راستے کو ترجیح دی تھی۔''

فریدی نے ٹیپ ریکارڈر کو زانو پر رکھ لیا تھا۔ لیکن کسی نے اُس کی طرف توجہ تک نہ

دی۔ اُس نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔

''کیپٹن حمید اپنے دوست سمیت لاپتہ ہوگیا ہے۔ اُن کی جیپ ڈیرہ غزن کے نواح میں ملی ہے۔ پچھلا ٹائر فلیٹ ہوگیا تھا اور اُس کے اندر سے رائفل کی گولی ملی ہے۔''

وہ تینوں حیرت سے اُسے دیکھے جارہے تھے۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر اُس نے ڈیرہ غزن والا راستہ کیوں اختیار کیا۔''

''ہم نے انہیں مجبور کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے ساتھ آئیں اور محل ہی میں قیام کریں۔'' شاہدہ بولی۔

''کیا آپ بتا سکیں گے کہ اُس نے وہ راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔'' فریدی نے ناصر سے پوچھا۔

''نہیں...... اس کا ذکر ہی نہیں آیا۔ ہم اُن سے پہلے ہی روانہ ہوگئے تھے۔ ویسے انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ شارٹ کٹ اختیار کریں گے جو ڈیرہ غزن کے راستے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''ٹائر میں رائفل کی گولی......!'' خانم کچھ کہتے کہتے رک گئیں پھر بولیں۔ ''کئی رہزنوں کی خبریں بھی اس دوران میں ملی ہیں۔''

''رہزن مال لے جاتے ہیں۔ اُن دونوں کو کیوں لے جانے لگے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''خیر...... اتنا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے وہ رات ریسٹ ہاؤز میں ہی گزاری تھی۔ اُوہ...... یہ تو بھول ہی گیا۔''

اُس نے خاموش ہوکر ناصر کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ''کیا آپ لوگ اپنی کوئی چیز ریسٹ ہاؤز میں بھول آئے تھے۔''

''نہیں تو......''

''یادداشت [illegible] دیجئے۔'' فریدی نے ٹیپ ریکارڈر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''نہیں [illegible] چیز نہیں۔''

''یہ ٹیپ [illegible] مجھے کمپاؤنڈ میں کیچڑ کے ڈھیر میں دبا ہوا ملا تھا۔ میں نے سوچا

شائد آپ ہی کا ہو۔''

دفعتاً ناصر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور وہ ہکلایا تھا۔ ''جج..... جی ہاں..... شش شائد میرا ہی ہے۔''

''کیا آپ کو بلی کی آواز بہت پسند ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' خانم تڑک کر بولیں۔

''کیسٹ میں ایک طرف صرف بلی کی آواز بھری ہوئی ہے۔''

ان الفاظ کا ردعمل فریدی کو بڑا عجیب لگا۔ خانم کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا تھا پھر انہوں نے قہر آلود نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا تھا اور بیٹے کا یہ عالم تھا جیسے اب بیہوش ہی ہو جائے گا۔ شاہدہ اٹھی تھی اور کچھ کہے سنے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی۔

''ممی.....!'' ناصر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کیجئے گا۔''

''میں معافی چاہتی ہوں کمال میاں۔'' خانم نے کہا تھا اور وہ بھی اٹھی تھیں اور دیوان خانے سے چلی گئی تھیں۔

فریدی خاموش بیٹھا جواب طلب نظروں سے ناصر کی طرف دیکھتا رہا۔

''یہ ہماری بدنصیبوں کی کہانی ہے کرنل صاحب۔'' ناصر بالآخر بولا۔ ''ممی نہیں چاہتیں کہ بات گھر سے باہر نکلے اور میں نہیں جانتا کہ اب وہ میرا کیا حشر کریں گی۔ مجھے یقین ہے کہ کیپٹن حمید کو ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ہماری مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔''

وہ خاموش ہو گیا اور فریدی سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔ اُس نے سگار سلگایا تھا اور نظریں ناصر کے چہرے پر جمادی تھیں۔

''کیپٹن حمید زخمی بھی ہو گئے تھے۔'' ناصر رک رک کر بولا۔

''ناصر میاں! اب اس سسپنس کو ختم کرو۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ حمید کے زخمی ہو جانے کی اطلاع پر اُس نے کسی قسم کے اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔'' ناصر بولا۔

''کہیں سے بھی شروع کر دو۔ میں کڑیاں ملا لوں گا۔''

''شاہدہ ایک عجیب و غریب مرض میں مبتلا ہو گئی ہے۔ ممی اُس کی پبلسٹی نہیں چاہتیں۔ وہ

ایک دلیر لڑکی ہے۔ خوف اور دہشت نام کے الفاظ اُس کی ڈکشنری ہی میں نہیں ہیں۔ لیکن پچھلے دو ماہ سے اُس کا یہ عالم ہے کہ جہاں اُس نے کوئی بلی دیکھی یا بلی کی آواز سنی۔ چیخ مار کر بیہوش ہوجاتی ہے۔ اس ٹیپ ریکارڈر کی بناء پر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجایئے گا۔ اس کی طرف بھی آ رہا ہوں۔ بہرحال میں نے ممی سے کہا تھا کہ شاہدہ کو کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جاؤں۔ لیکن انہوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح بات پھیل جائے گی اور شاہدہ کا رشتہ ملنے میں دشواری ہوگی۔''

''ہاں..... ایسا بھی ہوتا ہے۔ اُن کا خیال درست ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''لیکن میری نظروں میں انسانی زندگی زیادہ اہم ہے اور بقیہ چیزوں کو ثانوی حقیقت دیتا ہوں۔ میں نے اُن کی لاعلمی میں یہاں کے سب سے بڑے سائیکیٹرسٹ ڈاکٹر نجیب سے رجوع کیا اور اپنی دشواری بھی بتائی۔ ایک طرح سے وہ میرے دوست بھی ہیں۔ انہوں نے کہا فکر نہ کرو کوئی ایسی تدبیر کرلی جائے گی کہ میں مریضہ کو دورے کی حالت میں اس طرح دیکھ سکوں کہ ممی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ یہ ٹیپ ریکارڈر ڈاکٹر نجیب ہی کا ہے۔ بہرحال اُن کے مشورہ سے میں نے ایک اسکیم بنائی۔ ممی اور شاہدہ کو کریم آباد لے گیا۔ اسکیم یہ تھی کہ واپسی کے سفر میں ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز کے قریب گاڑی میں کوئی نقص پیدا کرکے رات ریسٹ ہاؤز ہی میں گزارنے کی تجویز پیش کروں گا اور پھر وہیں ڈاکٹر نجیب چھپ کر بلی کی آواز کا ردعمل شاہدہ پر دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ موسم ہی خراب ہوگیا اور گاڑی میں نقص پیدا کئے بغیر ہی ریسٹ ہاؤز میں قیام کرنے کا موقع نصیب ہوگیا اور اُس وقت ریسٹ ہاؤز بالکل خالی تھا۔ چوکیدار بخار میں پڑا ہوا تھا۔ اُس نے کنجیاں میرے حوالے کردی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حمید صاحب اور اُن کے دوست بھی آ گئے تھے۔''

''اور اُن دونوں کے آجانے کی بناء پر ڈاکٹر نجیب تجربہ نہ کرسکے ہوں گے۔''

''نہیں جناب..... تجربہ ہوا تھا اور کیپٹن حمید بلی کو بھگا دینے کے لئے باہر گئے تھے اور انہوں نے غالباً ڈاکٹر نجیب کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ بہرحال وہ بات تو وہیں ختم ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر نجیب اُن کے ہاتھ نہیں آسکے تھے لیکن شائد ٹیپ ریکارڈر اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر کیچڑ میں گر گیا تھا۔''

''کیا اسی بھاگ دوڑ میں حمید زخمی ہوا تھا۔''

''جی ہاں.....!'' ناصر نے کہا۔ لیکن فریدی نے فوراً ہی اُس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات دیکھے جن کی بناء پر اُسے اُس کے جواب پر یقین نہ آسکا۔

''کیا تم کچھ دیر کے لئے میرے ساتھ باہر چل سکو گے۔''

''جج..... جی ہاں..... کیوں نہیں۔'' ناصر نے کہا اور مڑ کر اُس دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس سے اُس کی ماں اور بہن گزر کر اندر گئی تھیں۔

وہ دونوں باہر آئے تھے اور فریدی نے ناصر کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

''میں اپنی گاڑی سے نہ چلوں۔'' ناصر نے کہا۔

''نہیں..... میں واپس پہنچا دوں گا..... فکر نہ کرو۔''

گاڑی پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آئی تھی اور فریدی بولا تھا۔ ''میرے باپ اور تمہارے نانا گہرے دوست تھے۔''

''جی ہاں..... ممی نے بتایا تھا مجھے۔''

''اور خان عظمت سے میرے مراسم تھے۔''

''مجھے اس کا بھی علم ہے۔''

''حالانکہ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے لیکن ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں تھا۔''

ناصر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''تمہارے خاندان میں یہ دوسرا کیس ہے۔''

''کس کیس کی بات کر رہے ہیں.....!'' ناصر بولا۔

''یہی بلی کی آواز سے خوفزدہ ہو جانا۔''

''لیکن مجھے کسی پہلے کیس کا علم نہیں ہے۔''

''وہ بات بھی پھیلنے نہیں دی گئی تھی۔ میرے بچپن کے زمانے کی بات ہے۔ تمہاری ایک پھوپھی روشن زمانی خانم تھیں۔''

''جی ہاں..... میں نے اُن کا نام سنا ہے۔ جوانی ہی میں انتقال کر گئی تھیں۔''

''وہ بھی اچانک اسی مرض میں مبتلا ہو گئی تھیں اور پندرہ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہی تھیں۔''

''یقین کیجئے..... مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ممی نے بھی کبھی نہیں بتایا۔''

''اُسی دوران میں ایک رات جب وہ سو رہی تھیں باہر بلیوں نے لڑنا شروع کر دیا اور وہ دہشت زدگی ہی کے عالم میں انتقال کر گئیں۔''

''خدا کی پناہ! تب تو شاہدہ بڑے خطرے میں ہے۔''

''خاص طور پر خیال رکھو کہ محل کے آس پاس کوئی بلی نہ پائی جائے۔''

''اب تو میں اس کے لئے الگ سے عملہ رکھوں گا۔''

فریدی نے گاڑی ہوٹل گلریز کے کمپاؤنڈ میں روکی تھی۔

''کافی کی خواہش ہو رہی تھی۔ کیا خیال ہے.....؟'' فریدی نے کہا۔

''ضرور.....ضرور.....چلئے۔''

وہ ڈائینگ ہال میں آئے تھے۔ فریدی نے ایک دور افتادہ میز منتخب کی۔

کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ ناصر کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''بسا اوقات آدمی کو وہ بھی کرنا پڑتا ہے جسے وہ قطعی پسند نہیں کرتا۔''

''جی ہاں.....!'' ناصر یونہی رواروی میں بولا۔ پھر اُس نے غور سے فریدی کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن فریدی اب اپنے جوتے کی ٹو پر نظر جمائے ہوا تھا۔

''مم.....میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟''

''تمہیں اُس وقت ریسٹ ہاؤز میں اُن دونوں کی آمد ضرور ناگوار گزری ہوگی۔''

''کسی قدر.....!'' ناصر مسکرایا۔

''کتنے نروس ہو گئے ہوگے اُس وقت جب حمید بلی کو بھگانے کے لئے دوڑا ہوگا۔''

''قدرتی بات ہے۔''

''باہر گہرا اندھیرا ہوگا۔''

''ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔''

''کیا تم اسے پسند کرتے کہ حمید ڈاکٹر نجیب کو پکڑ لیتا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

اتنے میں کافی آ گئی اور فریدی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔ مختلف ممالک کی کافی پر بات ہونے لگی تھی۔ دونوں کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔ دفعتاً فریدی نے پوچھا۔ ''حمید کے

کہاں چوٹ آئی تھی۔''

''سر پر.....!'' ناصر بولا۔

''ہوں.....!'' فریدی طویل سانس لے کر ناصر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا ہو کام بھی بن جاتا ہے اور بعد میں بات بھی بنائی جاسکتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''جب وہ بلی کو بھگانے برآمدے میں آیا تھا تو تم بھی اُس کے ساتھ رہے ہو گے۔''

''میں بعد میں پہنچا تھا۔''

''اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اُس کے سر پر ضرب لگائی تھی کہ وہ ڈاکٹر نجیب کے پیچھے نہ جاسکے۔''

''یہ بہتان ہے۔'' ناصر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں الزام نہیں دیتا۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بسا اوقات آدمی کو وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جسے وہ قطعی پسند نہیں کرتا۔''

''قسم ہے خدائے لم یزل کی۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔''

''مجھے یقین آ گیا۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''لیکن اب مجھے سچی بات بتانی ہی پڑے گی۔خواہ ممی میری گردن ہی کیوں نہ اڑا دیں۔'' ناصر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں.....اور ممی کے عتاب سے بچانے کا ذمہ بھی لے سکتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

ناصر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔''وہ چاہتی ہیں کہ خاندانی جھگڑے باہر نہ جائیں۔ لیکن جب دوسرے بلاوجہ کمینگی پر آمادہ ہوں تو میں تو اسے بزدلی ہی سمجھوں گا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے۔''

''یقیناً ایسا ہی ہونا چاہئے۔''

''ایک طرف میں نے شاہدہ کے سلسلے میں اسکیم بنائی تھی اور دوسری طرف کوئی ہمیں خوفزدہ کرنے کیلئے کریم آباد ہی سے ہمارے پیچھے لگ گیا۔ کھانے کی باسکٹ میں اُس نے بڑا سا کالا سانپ رکھ دیا تھا۔ لہٰذا جب ہم کھانے کیلئے بیٹھے اور جیسے ہی باسکٹ کھولی وہ پھن اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ اگر حمید صاحب نہ ہوتے تو پتا نہیں کیا ہوتا۔ انہوں نے اُسے قابو میں کرکے پھر باسکٹ میں بند کردیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ زہر کی تھیلی نکال لی گئی ہے۔ سانپ بے ضرر ہے۔''

فریدی بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ ناصر کہتا رہا۔ ''اُس کے بعد میں حمید صاحب کے ساتھ گاڑی سے دوسری باسکٹ نکال لانے کے لئے باہر نکلا تھا۔ حمید صاحب کسی سے ٹکرائے تھے اور اُسے پکڑلیا تھا۔ اندھیرے ہی میں ہاتھا پائی ہونے لگی تھی۔ پھر وہ اُن کی گرفت سے نکل گیا تھا اور وہ اُس کے پیچھے دوڑے گئے تھے۔ میں پسٹل لینے کے لئے پھر کمرے میں پلٹ آیا۔ واپسی میں قاسم صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم نے حمید صاحب کو آوازیں بھی دیں لیکن اُن کا کہیں پتا نہ تھا۔ پھر ہم پھاٹک کی طرف بڑھے۔ پھاٹک کے باہر حمید صاحب بیہوش پڑے ملے۔ ان کے سر کے پچھلے حصے سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن دور دور تک اور کوئی نظر نہ آیا۔ حمید صاحب نے شائد ایک فائر بھی کیا تھا۔

''تو تم اسے جانتے ہو جو تم لوگوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کررہا ہے۔''

''پہلے تو تاریکی ہی میں تھا لیکن جب وہ جوتا سامنے آیا..... دراصل جس آدمی سے حمید صاحب کا ٹکراؤ ہوا تھا وہ اُس جوتے ہی کو وہاں چھوڑ جانے کے لئے آیا تھا۔''

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑگئیں اور پھر وہ چونک کر بولا۔ ''اُوہ تو یہ بات ہے۔ اس لئے تمہاری ممی نے کہا تھا کہ وہ اپنے نجی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتیں۔''

''اُوہ..... آپ جانتے ہیں۔''

''ہاں..... مجھے علم ہے۔ یہ روایت تمہارے پردادا کے دور سے چلی آرہی ہے۔ وہ جس سے بھی ناراض ہوتے تھے اُسے اپنا جوتا بھجوادیتے تھے۔ جس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ لیکن تمہارے دادا بہت نیک آدمی تھے..... اُن کا زمانہ امن اور آشتی کا زمانہ تھا۔ ویسے تمہارے پردادا نے بھی کبھی خاندان کے کسی فرد کے لئے جوتا نہیں بھجوایا تھا۔ کیا میں

یہ سمجھ لوں کہ خانِ اعظم اُن سے بھی آگے نکل جانے کی سوچ رہے ہیں۔''

''ممی مجھے یہ بھی نہیں بتاتیں کہ جھگڑا کیا ہے؟''

''وہ نہیں بتائیں گی.....خان شہباز جیسے غیور آدمی کی بیٹی ہیں۔''

''میں تو تصور بھی نہیں کرسکتا کہ خان بابا اس طرح ہمارے دشمن ہوجائیں گے۔ ابھی دو ماہ قبل کی بات ہے کہ شاہدہ اُنکے پاس اُن کے دیہی محل میں قریباً پندرہ دن مقیم رہی تھی۔''

''اچھا.....!'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''ذرا یہ تو بتاؤ کہ شاہدہ کے اس ذہنی مرض کی ابتداء وہاں جانے سے قبل ہوئی تھی یا واپسی پر۔''

''شائد واپسی پر.....شائد نہیں بلکہ یقینی طور پر.....آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''یونہی.....برسبیل تذکرہ.....اچھا ناصر میاں.....اب تم اپنی ممی سے کہہ سکتے ہو کہ تم نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ اب یہ براہِ راست میرا اور خان اعظم کا معاملہ ہے۔ اُن کے علاقے میں وہ دونوں غائب ہوئے ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ انہیں کیپٹن حمید کی دخل اندازی گراں گزری ہوگی۔''

''میں دیکھوں گا.....اچھا چلو اب میں تمہیں محل چھوڑ آؤں۔''

''مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ میں خود ہی چلا جاؤں گا۔ یہیں سے فون کرکے گاڑی منگوائے لیتا ہوں۔''

وہ عورت

اُس عمارت کے طول وعرض کا اندازہ انہیں کیونکر ہوسکتا تھا جبکہ ایک دالان سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتے تھے۔ بڑھ یوں نہیں سکے تھے کہ انہیں اُسی دالان کے دوستونوں سے باندھ دیا گیا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے خود کو اُسی حالت میں پایا تھا۔

دالان کے آگے صحن تھا جس کے فرش پر پتا نہیں کب سے کبوتروں کی بیٹ جمتی آئی

تھی۔ صحن کے دوسرے سرے پر جس چیز سے قاسم کو دلچسپی ہو سکتی تھی وہ باورچی خانہ تھا۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو فضا میں چکرا رہی تھی اور اُسے چکر پر چکر آ رہے تھے۔

سورج غروب ہونے والا تھا اور عمارت کے کسی حصے میں بسیرا لینے والی ابابیلیں شور مچا رہی تھیں۔ دفعتاً باورچی خانے کے دروازے میں ایک خاصی لمبی تڑنگی اور جسیم عورت کھڑی دکھائی دی۔ رنگت سرخ و سپید تھی۔ لباس میلا کچیلا اور عمر تیس کے قریب رہی ہوگی۔

قاسم پہلے تو اُسے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف دیکھ کر منہ چلانے لگا۔

''تلی ہوئی کیسی رہے گی۔'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہاری تو اب آواز بھی زہر لگ رہی ہے کھاموش رہو۔'' قاسم غرایا۔

عورت انہیں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر سامنے سے ہٹ گئی۔

''دیکھا سالے..... بول کر کباڑا کر دیا تم نے۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''برادران لا سے پھر سالے پر آ گئے۔''

''ایق بات بتاؤ.....!'' قاسم سنی ان سنی کر کے بولا۔

''ضرور بتاؤں گا۔''

''تم پیدا قیوں ہو غئے تھے..... اور اگر ہوئے تھے تو قیا اسی شہر میں آ مرنا جروری تھا جس میں میں رہتا تھا۔''

''بیکار پریشان ہو رہے ہو اس بار تمہاری تقدیر کھل گئی ہے۔''

''قیا مطلب.....؟''

''ادھر اسی طرح شادیاں ہوتی ہیں۔''

''امے جاؤ..... قسی اور کو اُلو بنانا۔''

''ابھی تم دیکھ ہی لو گے..... وہ لوگ قاضی سمیت آئیں گے اور لڑکی تم دیکھ ہی چکے ہو۔''

''قب دیکھی..... کہاں دیکھی.....؟''

''وہ جو ابھی سامنے کھڑی تھی۔''

''اور تمہاری والی۔''

''مجھے تو شہ بالا بنائیں گے دم میں نمدہ دے کر۔''

''یار ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔!'' قاسم کی باچھیں کھلنے لگیں۔

''بس دیکھ لینا۔''

''تو پھر پٹائی کیوں کی تھی۔''

''رسم ہے ادھر کی تاکہ تم انکار ہی نہ کرسکو۔''

''والد صاحب کو معلوم ہوگیا تو۔''

''وہ بھی دوڑے آئیں گے.....رنڈوے ہی تو ہیں۔''

''ابے جبان سنبھال قے.....تم خود ہوگے رنڈوے۔''

''ابھی میری بیوی کہاں مری ہے۔''

''وہ تو سالی پیدا ہی نہیں ہوسکے گی۔'' قاسم نے کہا اور پھر یک بیک سنبھل کر بولا۔

''کہاں کی فجول باتیں نکال لیں۔یار کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو۔میں نے سنا ہے افریقہ میں بھی ایسی ایک قوم پائی جاتی ہے جو مار مار کر شادی کردیتی ہے۔''

''تم نے ٹھیک سنا ہے۔''

''تو پھر اب مجھے قیا قرنا چاہئے۔''

''ابھی لوگ آئیں گے اور ہمارے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے تم مت پٹر پٹر بولنے لگنا۔میں بات کروں گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

اور پھر سچ مچ تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی تھی اور انہی میں سے تین آدمی سامنے آ کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے اس حال کو پہنچایا تھا۔اُن کے چہرے اب بھی ڈھکے ہوئے تھے۔صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

''نذر گل سے کیا باتیں ہوئی تھیں.....؟'' اُن میں سے ایک غرایا.....جس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

''ارے پھر وہی نذر گل کا قصہ.....ہم تو سمجھے تھے بات ختم ہوگئی۔تو اس طرح ہمیں گھیرا گیا۔'' حمید بولا۔

قاسم نے قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھا تھا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''اگر تم نے کھل کر گفتگو نہ کی تو مار ڈالے جاؤ گے۔'' چابک والے نے کہا۔

''یہ شادی ہو رہی ہے۔'' دفعتاً قاسم پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا اور حمید منہ بنا کر رہ گیا۔

''یہ کیا بک رہا ہے۔''

''ابے جبان سنبھال کر..... ٹھینگے پر گئی شادی وادی۔''

''دیکھو بھائی..... تم لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ہم سے سرائے میں کہا گیا تھا کہ ایک زخمی کو جو اپنے ہوش میں نہیں ہے ڈیرہ غزن میں حویلی تک پہنچا دیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اس خدا ترسی کا یہ صلہ ملے گا۔''

''تو وہ راستے میں کہیں ہوش ہی میں نہیں آیا تھا۔''

''ہم نے توجہ نہیں دی تھی۔ اُسے آرام سے پچھلی سیٹ پر لٹا کر کمبل ڈال دیا تھا۔''

''ناممکن ہے کہ تم نے اُس سے اُس حادثے کے متعلق معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ جبکہ تمہاری جیب میں برآمد ہونے والا شناخت نامہ تمہیں پولیس آفیسر ظاہر کرتا ہے۔''

''ہمیں سرائے ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ اُس پر رہزنوں نے حملہ کیا تھا۔ لیکن ٹھہرو۔ یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔''

اس پر چابک والے نے حقارت آمیز سا قہقہہ لگایا تھا۔

''تم لوگ جوابدہی سے نہیں بچ سکو گے۔ ظاہر ہے کہ تمہارا تعلق خان اعظم کے منیجر ہی سے ہو سکتا ہے۔''

''اسی لئے ہم تم دونوں کو دفن کر دیں گے۔''

قاسم آپے سے باہر ہو جانے ہی والا تھا کہ حمید بول پڑا۔ ''تم خاموش رہو۔''

''نہیں کھاموش رہوں غا..... تم نے یہ قیوں قہا تھا کہ شادی کا انتظام ہو رہا ہے۔''

''یہ آخر کیا کہہ رہا ہے۔'' چابک والے نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں..... ہر وقت شادی کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ چاہے گردن پر بندوق کی نال ہی کیوں نہ رکھی ہوئی ہو۔''

''تم دغا باز ہو۔'' قاسم زور سے دہاڑا۔

وہ تینوں خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے تھے پھر چابک والے نے دونوں آدمیوں کو کچھ

اشارہ کیا تھا اور وہ آگے بڑھ کر قاسم کو ستون سے کھولنے لگے تھے۔

اُس کے بعد دو رائفلوں کی نالیں اُس کے دونوں پہلوؤں سے لگا دی گئیں تھیں اور وہ قاسم کو دالان سے ہٹا کر ایک کمرے میں لائے تھے۔

''تم تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' چابک والے نے اُس سے کہا۔

''اور نہیں تو کیا لوفر ہوں۔'' قاسم پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''سرائے میں سات آٹھ سیر تکے کھا گئے تھے۔''

''اور اب پھر بھوخ لگ رہی ہے۔''

''دس سیر بھنا ہوا گوشت تمہارے لئے تیار ہے۔''

''میں نہیں خاؤں غا۔''

''ایسی بھی کیا ناراضگی۔''

''اُسے بھی کھولو۔''

''اُس کی بات نہ کرو۔ اُسی کی وجہ سے شائد تمہاری بھی جان جائے۔ کیونکہ وہ سچ نہیں بول رہا۔''

''وہ سچ بول رہا ہے۔ ہماری اُس زخمی سے قوئی بات نہیں ہوئی تھی۔''

''یہ تو سنا ہی ہوگا کہ وہ کیا بڑبڑا رہا تھا بیہوشی میں۔''

''میں نے نہیں سنا تھا۔ یہ سالا راستہ ایسا ہے کہ کھایا پیا حلق میں چلا آ رہا تھا۔''

''وہ گاڑی کریم آباد کے کسی پولیس آفیسر کی تھی۔''

''ڈی ایس پی سٹی قی تھی۔''

''اپنے ساتھی کو سمجھاؤ.....اگر اُس نے اپنی زبان نہ کھولی تو ہم سچ مچ اُسے مار ڈالیں گے۔''

''خدائی فوجدار ہو تم۔'' قاسم آنکھیں نکال کر دھاڑا۔ ''اُس کا آج تک قوئی قچھ نہیں بگار سکا۔ میں نے بھی بہت بڑے بڑے معاملے دیکھے ہیں۔ تم کیا چیز ہو۔''

''کیا کھانا نہیں کھاؤ گے۔''

''مر بھی جاؤں تب بھی نہیں خاؤں غا۔''

''صرف رات بھر کی مہلت دی جاتی ہے۔ اُسے سمجھاؤ۔'' کہہ کر اُس نے پھر اپنے

ساتھیوں کو اشارہ کیا تھا اور وہ پہلے ہی کی طرح اُس کے پہلوؤں سے رائفلیں لگا کر اُسے دالان میں لائے تھے اور دوبارہ ستون سے جکڑ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پھر تنہا رہ گئے۔ قاسم آہستہ آہستہ وہ سب کچھ دہرانے لگا جو کمرے میں اُس پر گزری تھی۔

''دیکھو بیٹا.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''ریسٹ ہاؤز میں گزرنے والی رات کا ذکر زبان پر نہ آنے پائے ورنہ سچ مچ مارے ہی جائیں گے۔''

''میں نے نام ہی نہیں لیا تھا۔''

''اگر پوچھیں تو کہہ دینا براہِ راست کریم آباد سے آرہے تھے۔''

''اچھی بات ہے.....لیکن یہ سالا خان اعظم کون ہے۔''

''انگریزوں کے دور میں سرخاب ویلی پر اُسی کی حکومت تھی۔ قومی حکومت نے بھی کچھ چھوٹ دے رکھی ہے۔ بہرحال ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ جیپ ڈی ایس پی کو مل گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں مطمئن رہنا چاہئے۔''

''لیکن وہ سالا تو رات بھر کی مہلت دے گیا ہے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''سالے کھانے کو کہہ رہے تھے۔ میں نے انکار کر دیا۔''

''کیوں؟ زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے تم سے۔ اتنے فاصلے پر ہو کہ مجھے بھی نہیں کھا سکو گے۔''

''تمہیں مارنے کو قہہ رہے تھے اور مجھے کھانا کھلانے کو کہہ رہے تھے۔ قیسے مان لیتا۔ قہہ رہے تھے دس سیر بھنا ہوا گوشت۔''

''تو بیٹا اب رات کیسے کٹے گی۔''

''اللہ مالک ہے.....یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم بندھے کھڑے رہو اور میں بیٹھ کر کھانا کھاؤں۔''

''تمہارا بھوک سے بلکنا بھی تو مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔''

''دیکھا جائے غا.....کھاموش رہو.....مجھے سوچنے دو۔''

حمید نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا تھا۔ یعنی اب آپ بھی سوچنے لگے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد قاسم نے پوچھا۔ ''کیا واقعی تم نے اُس زخمی کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔''

''قطعی نہیں..... کہو تو قسم کھا جاؤں۔ وہ اس طرح بڑبڑا رہا تھا کہ الفاظ واضح نہیں تھے۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔ مقصد غالباً یہ تھا کہ اگر کوئی چھپ کر سن رہا ہو تو الفاظ اُس کے کانوں میں پڑ جائیں۔

''مگر اُن سالوں کو یقین نہیں آ رہا۔''

''مجبوری ہے۔''

''ابے مجھے تو اس پر حیرت ہے کہ اُن پر تمہارے عہدے کا بھی رُعب نہیں پڑا۔'' قاسم بولا۔

''بدنصیب ہیں..... پچھتائیں گے۔''

''ہاں..... تمہیں مار کر تو ضرور پچھتائیں گے۔ کیونکہ ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر چونک کر بولا۔

''شادی..... اچھا بیٹا اب بتاؤ۔ وہ شادی کی بات.....!'' قاسم پھر سنک گیا۔

''وہ تو میں تمہارا جی بہلا رہا تھا.....!'' حمید ہنس کر بولا۔

''اور اب میں تمہارا جی بہلاؤں غا..... پہلے وہ تمہاری ناک کاٹیں گے پھر کان..... پھر ہاتھ پاؤں..... پھر گردن ریت ڈالیں گے۔''

''اور تم دیکھتے رہو گے۔''

''ضرور دیکھوں گا..... کیونکہ میں نے آج تک کسی کو اس طرح مرتے نہیں دیکھا۔ ابے پھر کہتا ہوں کچھ نہ کچھ بتا دو اُن لوگوں کو۔''

''کیا بتا دوں.....؟''

''کچھ بھی..... یونہی جھوٹ موٹ..... مثلاً وہ زخمی بڑبڑا رہا تھا حنیفہ ڈارلنگ خواہ تمہارے باپ بھائی مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالیں میں تم سے محبت کرتا رہوں غا۔''

''نہیں چلے گی..... یہ کوئی بہت گہرا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''تم جانو..... میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ پتا نہیں انہیں کہاں رکھا گیا تھا اور اُسے اچھی طرح علم تھا کہ خان اعظم کے علاقے میں کسی قسم کی تفتیش کرنے سے قبل

پولیس کو خان اعظم سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ لہٰذا کریم آباد کا ڈی ایس پی جیپ مل جانے کے باوجود بھی اس علاقے میں کھل کر تفتیش نہ کر سکا ہوگا اور پھر اُس نے فریدی کو اطلاع دی ہوگی۔

''قیا سوچنے لگے..... بولتے رہو..... میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' دفعتاً قاسم بولا۔

''یہی سوچ رہا ہوں کہ میرے بعد تمہارا کیا بنے گا۔''

''قیمہ..... ٹھینگے سے..... دیخا جائے گا۔'' قاسم نے کہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''رات ہونے دو..... دیخ لوں غا..... سالوں کو۔''

''کیا دیکھ لو گے۔''

''بس گول رہو..... سب ٹھیخ ہے۔''

حمید نے اُسے آنکھ پھاڑ کر دیکھا تھا۔ پتا نہیں دل میں کیا ٹھانی تھی کہیں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔

''دیکھو مری جان..... ذرا سوچ سمجھ کر..... اسے دھیان میں رکھنا کہ تم دوڑ نہیں سکتے اور گر پڑتے ہو تو پھر سے اٹھا نہیں جاتا۔'' حمید آہستہ آہستہ بولا تھا۔

''ابے ہاں..... یہ تو ہے۔'' قاسم نے مایوسی سے کہا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا اور اب انہیں ایک دوسرے کی شکل صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ پورا صحن بھی تاریک پڑا تھا۔ صرف باورچی خانے کی کھڑکی میں مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک وہی لحیم شحیم عورت ایک ہاتھ میں لالٹین لئے اور دوسرے پر ایک طشت سنبھالے ہوئے باورچی خانے سے نکلتی دکھائی دی۔ اُن کے قریب پہنچ کر اُس نے لالٹین فرش پر رکھ دی تھی۔ پھر داہنے ہاتھ سے طشت سے ایک بڑی سی چھری نکالی اور اُس کی نوک سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر قاسم کے منہ کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''میں کافر نہیں ہوں۔ پہلے میرا بھوکا بھائی کھائے غا..... پھر میں خاؤں غا۔''

عورت نے انکار میں سر ہلا کر گوشت کا ٹکڑا اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا لیکن قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''کھالو.....تم ہی کھالو.....میری فکر نہ کرو۔!'' حمید بولا۔''بعض عورتیں بھی بے رحم ہوتی ہیں۔ ویسے خدا نے تو انہیں ماں ہی بنایا ہے۔''

عورت نے طشت فرش پر رکھ دیا۔ بھنے ہوئے گوشت کے ڈھیر سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور اُس کی خوشبو ہر چند کہ قاسم کو پاگل کئے دے رہی تھی لیکن وہ بدستور ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔ عورت کمر پر دونوں ہاتھ رکھے حمید کو گھورے جا رہی تھی۔

''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔تم شائد کسی کی ماں نہیں ہو۔'' حمید بولا۔''مرد تو کتے ہوتے ہی ہیں لیکن عورت صرف ماں ہے۔ ہر حال میں ماں رہتی ہے۔''

دفعتاً عورت اپنا بایاں پہلو دبائے ہوئے بیٹھ گئی۔ گھٹی گھٹی سی سسکیاں اُس کے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے منتشر ہو رہی تھیں۔

''میری بات سے دکھ پہنچا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ کچھ نہ بولی۔تھوڑی دیر تک اسی طرح سسکتی رہی پھر دوپٹے کے آنچل سے آنسو خشک کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ طشت اٹھایا اور حمید کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''نہیں.....!'' حمید بولا۔''میں نہیں چاہتا کہ تم میری وجہ سے کسی دشواری میں پڑو.....ظاہر ہے کہ مجھے نظر انداز کر دینے میں تم کسی کے حکم کی تعمیل کر رہی تھیں۔''

عورت نے گوشت کا ٹکڑا حمید کے منہ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ صحن کی بائیں جانب سے کسی کی گرج سنائی دی۔

''یہ کیا کر رہی ہے.....؟''

طشت اُس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا اور وہ بوکھلا کر بائیں جانب دیکھنے لگی۔

للکارنے والا روشنی میں آ گیا تھا۔ رائفل اُس کے شانے سے لٹک رہی تھی اور کارتوس کی پیٹی سینے پر آویزاں تھی۔

قریب پہنچتے ہی اُس نے عورت پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ بھرپور طمانچہ گال پر پڑا تھا۔

''ابے.....ابے.....یہ قیا.....!'' قاسم دھاڑا.....لیکن اُس نے پھر عورت کو مارا۔

''سالے جان سے مار دوں غا.....اگر اب عورت پر ہاتھ اٹھایا۔'' قاسم پھر گرجا۔ پھر شائد اُسی کی دخل اندازی ہی سے مزید مشتعل ہو کر اُس نے عورت کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا

شروع کر دیا تھا۔

''یا اللہ مدد.....!'' کہہ کر قاسم نے جو زور لگایا تو رسی تڑاخ سے ٹوٹ گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں اُس کے بلوں سے آزاد ہوا تھا۔ اُس آدمی پر جھپٹ پڑا تھا۔ اُسے پکڑا اور سر سے اونچا اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا اور پھر ایک ٹھوکر بھی رسید کی۔

وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ پتا نہیں مر ہی گیا تھا یا بیہوشی طاری ہوگئی تھی۔

''غضب ہوگیا.....!'' انہوں نے پہلی بار عورت کی آواز سنی۔

''مجھے کھولو.....!'' حمید نے قاسم سے کہا اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس رسی کی گرہ کھولنے لگا جو حمید کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ عورت قریب ہی کھڑی تھر تھر کانپتی رہی۔ خوفزدہ انداز میں چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔

حمید نے آزاد ہوتے ہی سب سے پہلے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی پر قبضہ کیا تھا۔

''اب تمہاری زندگی بھی شائد خطرے میں ہے۔'' حمید نے عورت کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

اُس نے مضطربانہ انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی تھی۔

''تو پھر یہاں سے نکل چلنے کی سوچو.....اور کتنے آدمی ہوں گے آس پاس.....!''

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر تیزی سے ایک طرف چلی گئی۔

حمید نے لالٹین بجھا دی اور قاسم سے بولا۔ ''ادھر ہی ستونوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔''

''ابے مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔''

''اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔''

لیکن ابھی وہ پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ عورت کی سرگوشی سنائی دی۔

''کہاں ہو تم دونوں۔''

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں نے دروازہ بند کر دیا ہے۔''

''میں نے پوچھا تھا اور کتنے آدمی ہیں۔''

''بس یہی تھا.....لیکن وہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔''

''چلو گی ہمارے ساتھ۔''

''ہاں.....چلوں گی۔'' عورت کے لہجے میں عزم تھا۔

''بس تو پھر ہمیں راستہ دکھاؤ۔''

''لالٹین کہاں ہے۔''

''میں نے بجھا دی ہے۔''

''اچھا ٹھہرو.....!'' عورت نے کہا تھا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ذرا دیر بعد واپس آئی۔ ماچس جلا کر لالٹین روشن کی اور اُسے اٹھا کر ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

''میرے پیچھے آؤ۔''

بائیں ہاتھ میں اُس نے ایک جھابی لٹکا رکھی تھی۔ قاسم نے بڑی مشکل سے جھک کر فرش پر گرے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں پر جھپٹا مارا تھا اور انہیں منہ میں ٹھونستا ہوا اُس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

نیچے پہنچ کر عورت نے ایک دروازہ کھولا تھا۔ یہ کسی سرنگ کا دہانہ ثابت ہوا اور وہ آگے بڑھتے رہے۔ پھر ایک تنگ سا درہ انہیں کھلی فضا میں لے آیا تھا۔ شفاف آسمان پر تارے پہلے ہی کی طرح چمک رہے تھے۔

عورت نے لالٹین بجھا دی اور آہستہ سے بولی۔ ''اللہ کا بھروسہ ہے۔ مگر ہم کہیں بھی چھپ نہ سکیں گے۔''

''یہاں سے جتنی دور لے چل سکتی ہو ..... لے چلو.....سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ ان لوگوں کو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔''

عورت کچھ نہ بولی۔ لیکن وہ ایک جانب چل پڑی تھی۔

کرنل فریدی تفتیش کا آغاز کارواں سرائے سے کرنا چاہتا تھا۔ فی الحال گلریز ہی کے ایک کمرے میں مقیم تھا اور ڈیرہ غزن خان کی جانب روانگی کی تیاری کر رہا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیڈ کوارٹر سے فاروقی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کہیے..... کیا بات ہے۔''

''کریم آباد کے ڈی ایس پی سٹی یہاں موجود ہیں اور آپ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں۔''

''بھیج دیجئے۔'' فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ڈی ایس پی سٹی دس منٹ کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گیا تھا۔

''بات کچھ بن رہی ہے جناب.....!'' وہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولا۔

''کوئی خاص خبر.....!''

''کل شام کی ڈاک سے مجھے ایک گم نام خط ملا ہے۔'' اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

خط کسی معمولی پڑھے لکھے ہوئے آدمی کا تحریر کردہ معلوم ہوتا تھا۔ الفاظ شکستہ تھے اور شائد بہت جلدی میں تحریر کئے گئے تھے۔

''جناب عالی کپتان صاحب!

کل آپ سرائے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ وہاں کسی نے بھی آپ کو پوری بات نہیں بتائی۔ کیونکہ میر سرائے نے سب کو منا (منع) کر دیا تھا۔ اب مجھ سے سنئے! وہ دونوں آئے تھے اور اُن سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک زخمی کو جو خان کا سپاہی ہے ڈیرہ پہنچا دیں۔ سپاہی کی گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی تھی اور اُسے بہت تیز بخار تھا۔ اُس پر کہیں راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا۔ سپاہی کا نام نذر گل ہے۔ وہ دونوں اُسے جیپ میں ڈال کر ڈیرے کی طرف لے گئے تھے۔ میں یہ آپ کو کیوں بتا رہا ہوں..... یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

فریدی خط پڑھ کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

''خان اعظم کا منیجر..... قتلو خان ڈیرے میں رہتا ہے۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔ ''ظاہر ہے کہ اگر وہ خان کے کسی زخمی سپاہی کو لے گئے تھے تو انہوں نے اُسے حویلی ہی میں پہنچایا ہوگا۔''

''تو سرائے والوں کی زبان بندی خان اعظم ہی کی طرف سے کی گئی ہوگی ورنہ وہ اتنی اہم بات کیوں چھپاتے۔'' فریدی بولا۔

''تو پھر اب سرائے میں پوچھ گچھ بیکار ہی ثابت ہوگی۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔

''براہِ راست قتلو خان سے بات کیجئے۔''

''وہ سرے سے ہی انکار کر دے گا۔ نہیں..... میر سرائے کی زبان کھلوانی ضروری ہے۔''

''تفتیش کے لئے خان کی اجازت لینی ہوگی۔''

''ضروری نہیں ہے۔''

ڈی ایس پی کچھ نہ بولا۔

''میں سرائے ہی سے آغاز کروں گا۔'' فریدی نے کہا۔ اُسے پہلے ہی سے علم تھا کہ انگریزوں کے دور کے دستور کے مطابق اب بھی خان اعظم کے علاقہ میں کسی قسم کی تفتیش کرنے سے قبل اُس کی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے مقامی پولیس سے مدد کا طالب ہی نہیں ہوا تھا۔ البتہ جب اُس کی جیپ ڈیرہ غزن خان کی طرف روانہ ہوئی تھی تو اُس کے پیچھے ایک جیپ اور بھی نظر آئی تھی جس پر پانچ جوان مقامی لباس میں دکھائی دیئے تھے اور وہ پوری طرح مسلح بھی تھے۔

فریدی کی جیپ ڈیرہ غزن خان سے گزر گئی۔ اُس کی اصل منزل کارواں سرائے تھی۔

دوسری جیپ کے پانچوں سوار راستے بھر اپنے مسلح ہونے کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔ اُڑتے ہوئے پرندوں اور جنگلی جانوروں پر فائر کرتے رہے تھے۔ فریدی نے سرائے کے باہر جیپ روکی اور اُتر کر اندر آیا۔ پہلے ملنے والے آدمی سے اُس نے میر سرائے کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے ادھیڑ عمر کے ایک توانا اور بلند و بالا آدمی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ فریدی اُس کی جانب بڑھ گیا۔

''فرمایئے! کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' میر سرائے اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

''پچھلے اتوار کو میرے دو دوست یہاں آئے تھے۔ اُن میں سے ایک غیر معمولی طور پر جسیم تھا۔''

''جی ہاں.....!'' میر سرائے ہنس کر بولا۔ ''دیوزاد کہئے جناب عالی..... ایک نشست میں سات آٹھ سیر تکے تنہا کھا گئے تھے۔''

''ہاں وہی لوگ..... وہ لاپتہ ہو گئے ہیں۔ میں اُن کی تلاش میں ہوں۔''

''وادی سرخاب میں تلاش کیجئے۔ انہوں نے یہاں لوگوں کو بتایا تھا کہ وہیں کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

''اُن کے ساتھ اور کون تھا.....؟''

''مجھے علم نہیں جناب! وہ تو اُس دیوزاد کی وجہ سے یادداشت میں محفوظ رہ گئے۔ ورنہ لوگ آیا ہی جایا کرتے ہیں۔''

''میں اُس زخمی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جسے تم نے ان کے ساتھ ڈیرہ غزن بھجوایا تھا۔ کہو تو اُس کا نام بھی بتاؤں..... نذر گل۔''

''کسی نے آپ کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے جناب۔''

''کیا ہم کہیں تنہائی میں گفتگو نہیں کر سکتے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی نہیں۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے بتا دیا۔ وہ آئے تھے اور کھا پی کر چلے گئے تھے۔''

''اگر تم یہیں کھیل چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' فریدی نے کہا اور اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

ٹھیک اُسی وقت صدر دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ ''کوئی اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرے۔''

دوسرے لوگ دروازے کی جانب مڑے اور انہیں وہاں دو جوان نظر آئے جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

''یہ..... یہ زیادتی ہے جناب۔ خان اعظم کے علاقے میں۔'' میر سرائے ہکلایا۔

''میرے دونوں آدمی اس علاقے میں غائب ہوئے ہیں۔''

''لل..... لیکن..... میں کیا جانوں۔''

''مجھے تمہارا تحریری بیان چاہئے ورنہ بڑا خون خرابہ ہوگا۔ میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور میرا تعلق مرکز سے ہے۔''

''ہم خان اعظم کے علاوہ اور کسی کو جوابدہ نہیں۔''

''وہم ہے تمہارا..... خان اعظم بھی حکومت کو جوابدہ ہے۔ اگر ابھی تک یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تو میں سمجھاؤں گا۔''

''تو آپ براہِ راست محل ہی سے کیوں نہیں معلوم کرتے۔''

''نذر گل کو تم نے ان کی گاڑی میں بھجوایا تھا۔ اس لئے ابتداء تمہی سے ہوگی۔'' وہ کچھ نہ بولا۔ بدحواسی کے عالم میں فریدی کی شکل تکتا رہا۔ کبھی دروازے اور دوسروں کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

بالآخر آہستہ سے بولا۔ ''تنہائی میں چلئے۔''

فریدی نے دروازے کے قریب کھڑے ہوئے جوانوں میں سے ایک کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ میر سرائے اُسے ایک کمرے میں لایا اور جوان دروازے پر کھڑا رہا۔ میر سرائے فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ تذبذب کے عالم میں معلوم ہوتا تھا۔

''میرے پاس وقت کم ہے۔'' فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

''مم..... مجھے منع کر دیا گیا ہے۔'' میر سرائے ہکلایا۔

''یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ورنہ تم جھوٹ کیوں بولتے۔''

''قتلو خان بڑا جابر آدمی ہے۔ اب میری زندگی محال ہو جائے گی۔''

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''اور پھر میں کبھی گھر کی صورت نہ دیکھ سکوں گا۔''

''غلط سوچ رہے ہو۔ اب خان حاکم نہیں ہے۔ پورے ملک میں قانون کی حکومت ہے۔''

''خان ہی یہاں کا قانون ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ مقامی پولیس خان کی اجازت کے بغیر علاقے میں قدم نہیں رکھ سکتی۔''

''میں مقامی نہیں ہوں۔''

''نذر گل کی ران میں گولی لگی تھی اور وہ نیم بیہوشی کے عالم میں تھا۔ میں نے سوچا کہ

آپ کے دوستوں کے ساتھ اُسے ڈیرہ بھجوا دوں..... دوسرے دن حویلی سے حکم آیا کہ نذر گل کا نام بھی نہ لیا جائے۔"

"کیا قتلو خان من مانی کرتا ہے۔"

"کیوں نہ کرے جبکہ اُس کی بہن خان اعظم کو بیاہی ہوئی ہے؟ بہتیرے معاملات کا تو خان اعظم کو علم تک نہیں ہوتا۔ وہ اتنے جابر نہیں ہیں۔ انہیں کتوں اور شکارگاہوں سے فرصت نہیں۔ حکومت قتلو ہی کی ہے۔"

"چپ چاپ چل کر میری جیپ میں بیٹھ جاؤ۔"

"میرے متعلقین مارے جائیں گے۔"

"اُن کی ذمہ داری بھی لے سکتا ہوں۔ میرا نام سن کر قتلو محتاط ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نذر گل کے سلسلے میں تمہاری زبان بند کیوں ہو جاتی۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں ورنہ اس اسٹیج پر واقعی تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ متعدد آدمی میری اور تمہاری ملاقات کے شاہد بن گئے ہیں۔"

"میں کیا کروں۔"

"باہر نکلو اور میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

غار خراٹوں سے گونج رہا تھا۔ عورت پہلے جاگی تھی اور پھر اُس نے حمید کو جگا کر کہا تھا۔

"کسی طرح اس کا حلق بند کرو، ورنہ پکڑے جائیں گے۔"

"بہت مشکل ہے۔ حلق نہیں اسے توپ کا دہانہ سمجھو۔ جگانا ہی پڑے گا۔" حمید بولا۔

"تو پھر جگا ہی دو۔"

''کوشش کرتا ہوں..... ویسے اگر تم جھابی میں کھانے پینے کا سامان نہ لائی ہوتیں تو شائد جاگ ہی رہا ہوتا۔''

حمید نے ریڈیم ڈائیل والی گھڑی دیکھی۔ تین بجے تھے اور غار میں اتنا اندھیرا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وہ خراٹوں کی سمت آہستہ آہستہ کھسکنے لگا۔ اس طرح قاسم تک رسائی ہوئی تھی۔ وہ چت پڑا تھا۔

''قاسم.....قاسم.....!'' حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

''غاؤں.....غاؤں.....!'' اُس نے کروٹ لی تھی اور خراٹے بند ہو گئے تھے۔ حمید نے طویل سانس لی اور ذہن پر زور دینے لگا کہ غار کا دہانہ کس طرف ہوسکتا ہے۔ پچھلی رات خاصی دیر تک چٹانوں کے درمیان بھٹکنے کے بعد اُس عورت نے یہ غار تلاش کیا تھا۔ لیکن مطمئن نہیں تھی کہ رات سکون سے گذر جائے گی۔

کسی نہ کسی طرح وہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ باہر گہرا سناٹا تھا۔ جھینگروں نے بھی اب چپ سادھ لی تھی۔ البتہ کبھی کبھی کسی دور افتادہ لومڑی کی آواز سنائی دیتی اور تاروں بھرا آسمان پھر سکوت میں گم ہو جاتا۔

وہ پھر پلٹا اور اُس جگہ پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جہاں عورت کو چھوڑا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ حمید کی آہٹ پر بولی۔

''کیا بات ہے.....کیا تم نے اُسکا گلا گھونٹ دیا۔ اب خراٹے نہیں سنائی دے رہے۔''

''کروٹ لے لی ہے۔''

وہ چپ ہو رہی۔ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔''

''نذر گل مر گیا.....اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔''

''مر گیا.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''کیسے مر گیا.....گولی ران میں لگی تھی۔''

''یہ میں نہیں جانتی۔ بس وہ یہی جاننا چاہتے ہیں کہ اُس نے تمہیں کیا بتایا تھا اور شائد تمہیں اس کے بعد بھی زندہ نہ چھوڑتے۔''

''آخر وہ ہمیں کیا بتاتا۔ سرائے والوں نے بتایا تھا کہ اُس پر رہزنوں نے حملہ کیا تھا۔''

''غلط ہے۔ اُس کو کسی مہم پر بھیجا گیا تھا۔''

''کس مہم پر۔''

''یہ میں نہیں جانتی۔ تم پولیس والے بھی ہو۔ اس لئے اُن کی تشویش بڑھ گئی ہے اور اب اُن کی کوشش ہوگی کہ تمہیں علاقے سے باہر نہ نکلنے دیں۔''

''تمہارے ساتھ اُس آدمی کا رویہ.....!''

''اس کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا تم دنیا میں بالکل تنہا ہو۔''

''پہلے نہیں تھی۔ انہوں نے میرے باپ اور بھائی کو ختم کرادیا اور مجھے لونڈیوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا۔ شوہر پہلے ہی مر چکا تھا۔''

''مجھے افسوس ہے۔ لیکن تمہارے باپ اور بھائی کا کیا قصور تھا۔''

''قتلو خان کے ایک سپاہی سے الجھ گئے تھے۔ وہ ہمارے مویشی ہانک لے گیا تھا۔ اُن کے کئی آدمیوں نے یلغار کی اور کلہاڑیوں سے کاٹ کر رکھ دیا۔''

''اور کسی نے پولیس کو اطلاع دینے کی زحمت نہیں گوارا کی۔''

''خان اعظم کی رعایا بہت سعادت مند ہے۔'' عورت نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''اب کوئی کسی کی رعایا نہیں ہے.....سب آزاد ہیں۔''

''یہاں سب خان اعظم اور قتلو خان کے غلام ہیں۔''

''غالباً یہ قتلو خان منیجر ہے خان اعظم کا۔''

''خان اعظم کی بیوی کا بھائی بھی ہے۔''

''کچھ بھی ہو۔ ان لوگوں کو پچھتانا پڑے گا۔''

''وہ کس طرح۔''

''ہمارے غائب ہوجانے کی وجہ سے ہمارا محکمہ پوری طرح متوجہ ہوجائے گا۔''

''لیکن کوئی خان کے علاقے میں قدم بھی نہیں رکھ سکے گا۔''

''وہم ہے تمہارا۔''

''اگر یہاں پولیس کو کسی قسم کی چھان بین کرنی ہوتی ہے تو خان کی اجازت حاصل کئے

بغیر علاقے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتی۔''

''ہوسکتا ہے۔ مقامی پولیس خان کے دباؤ میں ہو۔ لیکن ہمارا معاملہ دوسرا ہے۔ ویسے تم مجھے پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہو۔''

''اسی لئے تو مجھے یہاں اس ویرانے میں لاڈالا گیا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں میں بات کو آگے نہ بڑھادوں۔ اچھا مجھے بتاؤ..... اگر میں وزیراعظم سے اس ظلم کے خلاف فریاد کرتی تو کیا مجھے مایوسی ہوتی۔''

''ہرگز نہیں..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دراصل ابھی تک خان کے علاقے سے کوئی ایسی شکایت مرکز تک نہیں پہنچی ورنہ نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔''

''کچھ بھی نہ ہوتا۔ آخر انہیں خان کے علاقے سے بھی تو ووٹ لینے ہی ہوتے ہیں۔''

''جمہوریت سے بیزار بھی معلوم ہوتی ہو۔''

''کیا میں اس معاملے میں حق پر نہیں ہوں۔''

''بہت پرانی بات کررہی ہو..... اب حالات بدل رہے ہیں۔''

''خدا جانے..... میں تو دنیا میں تنہا رہ گئی۔''

حمید نے جماہی لی اور منہ چلا کر رہ گیا۔ پتا نہیں کب سے تمباکو نصیب نہیں ہوئی تھی اور اب تو وہ بالکل کنگال بھی تھا۔ انہوں نے جیبوں سے بھی ساری رقم نکال لی تھی۔

''تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی تھی۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''جان بچانے کی سوچو..... ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔''

''بچنی ہوگی تو بچ ہی جائے گی۔ ہم جب اپنے گھروں سے نکلتے ہیں تو یہ سوچ کر نکلتے ہیں کہ اب واپسی نہیں ہوگی۔ لیکن ..... تم دیکھ ہی رہی ہو..... کیا تمہیں توقع تھی کہ ہم اس طرح رہا ہو جائیں گے۔''

''یہ تو معجزہ ہی ہوا ہے۔ تمہارا ساتھی بہت طاقتور ہے۔''

''غصے میں وہ اتنا ہی بھیانک ہو جاتا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ اُس کی بدسلوکی نہ دیکھتا تو اس کی کھوپڑی پر برف ہی جمی رہتی اور وہ اُسی طرح بندھا کھڑا رہتا۔''

''تم لوگ جو کوئی بھی ہو بہت اچھے ہو۔''

''اب اتنے اچھے بھی نہیں ہیں۔''

''آدمی آدمی ہی رہتا ہے فرشتہ نہیں ہو جاتا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''خان اعظم کے بھائی خان عظمت کے گھرانے سے بھی واقف ہو۔''

''شاہدہ خانم سے واقف ہوں..... کیونکہ وہ کئی بار میرے اسکول میں آ چکی ہیں۔ بہت اچھی ہیں۔ ویسے بھی یہ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ لوگ بے حد شرف اور مہذب ہیں۔''

''تمہارا اسکول.....!''

''ہاں..... میں ڈیرہ غزن کے مدرسہ نسواں میں پڑھاتی تھی۔''

''خدا غارت کرے۔ ایک معلّمہ کا یہ حشر کیا ہے ان وحشیوں نے۔''

''بس خان اعظم کا جھنڈا اونچا ہے۔ اُسکے آگے کسی کی کوئی حیثیت نہیں سب غلام ہیں۔''

''دیکھ لیا جائے گا۔ اس خان اعظم کو بھی۔''

''سنا ہے کہ انگریزوں کے دور ہی سے لوگ اُسے دیکھتے آئے ہیں۔ لیکن ابھی تک تو کوئی اثر نہیں پڑا اُسکی صحت پر۔ ایک بار اُسنے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کو اپنے ہاتھوں سے پیٹا تھا۔''

''خدا نے چاہا تو اُس کی گردن ہم ہی توڑ دیں گے۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

پھر دوسری بار بھی اُسے عورت ہی نے جگایا تھا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''صبح ہوگئی ہے..... اور اب ہم پہلے سے بھی زیادہ خطرے میں ہیں۔'' عورت بولی۔

''اُسے بھی جگا دو۔ پتا نہیں کب یہاں سے نکل بھاگنا پڑے۔''

''کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔''

''اُن کے پاس بہت ہی خطرناک قسم کے شکاری کتے ہیں۔ اس وقت وہ انہیں ساتھ لے کر نکلیں گے۔''

''اگر اس غار میں کوئی اور بھی دہانہ ہے تو اُسے تلاش کر لینا چاہئے۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''کہیں اور منتقل ہو جائیں گے۔ کیونکہ رائفل ایک ہی ہے۔ دونوں دہانے نہیں سنبھالے جا سکیں گے اور ایک دہانے سے آدھا کتا بھی اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔''

''تو پھر تلاش کرو.....دیر نہ کرو۔''

حمید نے پہلے قاسم کو اٹھایا تھا۔ کتوں والی بات اُس کی کھوپڑی میں اُتارنی پڑی تھی اور اُس نے ہنس کر کہا تھا۔ ''یار یہ کتے بھی حلال ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔''

''کہیں کتوں پر تم ہی نہ حلال ہو جاؤ۔ اٹھو جلدی سے۔''

''قیا قرنا ہے۔''

''غار کا دوسرا دہانہ تلاش کریں گے۔''

''ارے اسی سے نکل چلو۔ دوسرے کی کیا ضرورت ہے۔''

تھوڑا وقت دہانوں کی اہمیت سمجھانے میں صرف ہوا تھا۔ لیکن قاسم سب کچھ سن لینے کے بعد بولا۔ ''مگر بیٹا ناشتے کا کیا ہوگا؟''

''تمہاری کھوپڑی پر سجا دیا جائے گا۔ اگر کچھ دیر کے لئے تم اُسے بھول نہ گئے۔''

''اچھا..... چلو..... دوسرا دہانہ ہی تلاش قرو۔'' قاسم نے کہا اور عورت کو دیکھ کر اس طرح چونک پڑا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔ پھر اُس نے بہت پھرتی سے کھڑے ہو جانے کی کوشش کی تھی اور اوندھے منہ نیچے جا پڑا تھا۔

''ہی....ہی....ہی....!'' وہ جھینپی ہوئی ہنسی کیساتھ بولا تھا۔ ''شائد ابھی سو ہی رہا ہوں۔''

''خدا کے لئے جاگو بھی کسی طرح۔'' حمید بولا۔

''جاگ غیا..... بالکل جاگ غیا۔''

وہ دوسرا دہانہ تلاش کرتے پھرے تھے۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

حمید غار سے باہر نکلا اور گردو پیش کا جائزہ لینے لگا۔ صبح کی نارنجی دھوپ چٹانوں پر بکھرنے لگی تھی۔ وہ اُس راستے کی جستجو میں تھا جس سے غار تک رسائی ہوئی تھی۔ خاصی تگ و دو کے باوجود بھی وہ اُس کا اندازہ نہ کر سکا۔ آخر عورت ہی سے رجوع کرنا پڑا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے باہر نکلی اور چٹانوں کی اوٹ لیتی ہوئی ایک جانب بڑھنے لگی۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔

ایک جگہ رک کر اُس نے نشیب میں اشارہ کیا۔ عجیب چکر دار سا راستہ تھا۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی اونچی عمارت کے ساتھ چکر دار زینے کھڑے کر دیئے گئے ہوں۔ حمید نے ایک چٹان کی اوٹ میں پوزیشن لے کر دیکھی۔ پورا راستہ اُس کے نشانوں کی زد پر تھا۔

''کتوں کو وہ تمہاری ہی بو پر لگا کر لائیں گے۔'' حمید نے عورت سے کہا۔''اب تم جاؤ اور غار سے نہ خود باہر نکلنا اور نہ اُسے نکلنے دینا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔''

''اور تم.....!''

''میں یہاں سے بہتر طور پر رکھوالی کر سکوں گا۔ غار کا دہانہ بھی صاف نظر آ رہا ہے اور یہ راستہ بھی۔''

''وہ اول درجے کے مکار بھی ہیں۔'' عورت نے اطلاع دی۔

''بے فکر رہو..... میں نے بھی صرف آغوش مادر ہی میں شرافت کی زندگی بسر کی تھی۔''

''تمہارے جملے بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ اُوہ..... وہ تو بھول ہی گئی ٹوکری میں ابھی کچھ چیزیں بچی پڑی ہیں۔ چل کر تھوڑا بہت کھالو۔''

''اب نہ بچی پڑی ہوں گی۔ ٹوکری بھی ساتھ ہی لائی ہوتیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ٹوکری تک چبا گیا ہوگا۔''

''وہ ہنس پڑی اور بولی۔''خیر! میں دیکھتی ہوں کچھ ہوا تو یہیں پہنچا دوں گی۔''

وہ چلی گئی تھی اور حمید امکانی جنگ کا نقشہ ذہن میں ترتیب دیتا رہا تھا۔

پھر اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے سوتے سے جاگ پڑا ہو۔ ماحول جانا پہچانا سا لگنے لگا تھا۔ یہ جگہ تو اُس کی دیکھی ہوئی تھی۔ یہاں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل والے کیس کے سلسلے میں ان اطراف میں پہلے بھی کبھی سرگرداں رہ چکا تھا۔

اُس کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ یہاں اپنا تحفظ کر سکتا تھا۔ کم از کم کسی گم کردہ راہ کی حیثیت سے انجانے میں تو نہیں مارا جا سکتا تھا۔ لیکن پھر قاسم کا خیال آیا۔ اُس کا کیا ہوگا۔ اُس پہاڑ کو کس طرح متحرک رکھا جا سکے گا۔

یک بیک پھر دل گرفتگی کا حملہ ہوا اور ٹھیک اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ زلیخا پانی کی چھاگل اور کھانے کی جھابی اٹھائے آتی نظر آئی۔ حمید نے طویل سانس لی تھی۔ اُس نے سوچا۔ کیا چیز ہے عورت۔ قاسم جیسا پیٹ کا کتا بھی آدمی بن گیا ہے کہ اُس کی عدم موجودگی میں کھانے میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ غالباً اس لئے وہ اُسی کے قبیلے کی

معلوم ہوتی تھی اور اُسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

''میں اُسے صرف ایک روٹی اور دو بوٹیاں دے آئی ہوں اور وہ خوش ہے۔'' زلیخا نے قریب پہنچ کر کہا۔ اُس نے انہیں اپنا نام یہی بتایا تھا۔

''اور اُس نے فریاد نہیں کی۔''

''بالکل نہیں! بڑی سعادت مندی سے میرا شکریہ ادا کیا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے آدھی روٹی اور صرف ایک بوٹی سے کام چلانے کی کوشش کی۔

''تم بھی تو کھاؤ۔'' اُس نے زلیخا سے کہا۔

''ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔ اتنے سویرے نہیں کھاتی۔''

''رات مجھے اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ میں تو اس علاقے سے واقف ہوں۔ بائیں جانب والی اُترائی راکیل ہی کی طرف گئی ہے نا۔''

''ہاں..... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''لہٰذا بے فکر رہو..... وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

''مجھے صرف تم دونوں کی فکر ہے۔ ورنہ میں تو کبھی کی مرچکی ہوں۔''

''مایوسی اچھی چیز نہیں ہے۔ تمہیں زندہ رہنا ہے۔ اپنے باپ بھائی کے قاتلوں کا انجام دیکھنے کے لئے۔''

''تم دو آدمی کیا کرلو گے۔''

''تمہیں یقین کیوں نہیں آتا کہ ہمارے لئے پوری مشینری حرکت میں آچکی ہوگی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو.....!'' وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے دور کی کوئی آواز سننے کی کوشش کررہی ہو۔

''وہ آرہے ہیں شائد۔'' تھوڑی دیر بعد وہ بڑبڑائی اور پھر حمید نے بھی کسی کتے کو بھونکتے سنا تھا۔

''وہ دیکھو.....!'' زلیخا مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

ایک کتا اُسی دراڑ سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا جس سے گزر کر وہ اس طرف آئے تھے۔ پھر وہ زمین سونگھتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا۔

''حیرت.....!'' زلیخا بڑبڑائی۔''صرف ایک کتا۔ جبکہ وہاں پورے دس عدد کتے تھے۔''

''اور اُس کے پیچھے کوئی آدمی بھی نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''اُوہ.....ٹھہرو.....بے حد چالاک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ایک رائفل بھی میرے ہاتھ لگ گئی ہے اسلئے وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ یہ کتا صرف اسلئے چھوڑا گیا ہے کہ سامنے آئے بغیر ہی وہ ہماری پوزیشن معلوم کرسکیں۔ اگر میں اس کتے پر فائر کروں تو وہ فائر کی سمت کا اندازہ کرلیں گے۔ اس طرح ایک ہی کتا تو ضائع ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ بزدل اور مکار ہیں۔'' زلیخا بولی۔

''اچھا بس.....اب تم غار میں جاؤ۔ میں فائر کئے بغیر ہی اس کا خاتمہ کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی.....ہرگز نہیں۔''

''بچوں کی سی باتیں مت کرو.....جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔''

وہ بادل ناخواستہ غار کی طرف چلی گئی تھی۔ کتا زمین سونگھتا ہوا چکر دار راستے کی طرف بڑھتا رہا۔

حمید نے بھی اب اپنی پوزیشن میں تبدیلی کرلی تھی۔ چکر دار راستے کے اختتام کے قریب کھسک آیا تھا اور رائفل کی نال لٹھ کی طرح پکڑ رکھی تھی۔ خود چٹان کی اوٹ میں تھا۔ پھر جیسے ہی کتے کا سر نظر آیا۔ اُس نے پوری قوت سے رائفل کے کندے سے ضرب لگائی۔ کتے نے کئی قلابازیاں کھائی تھیں اور رائفل کا کندہ پے درپے اُس پر پڑتا رہا تھا۔ حمید کے ہاتھ اُسی وقت رکے تھے جب وہ ٹھنڈا ہوگیا تھا۔

''شاباش.....!'' غار کے دہانے کی طرف سے قاسم کی آواز آئی۔''ایک وقت کی ہانڈی ہوگئی۔''

حمید کھڑا ہانپتا رہا۔ خود اپنے سر کی چوٹ پر ہتھوڑے سے پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ قاسم اور زلیخا بھی قریب ہی آ کھڑے ہوئے۔

''کتا کھاؤ گے۔'' زلیخا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''ایک روٹی اور دو بوٹیوں کی وجہ سے گدھا بھی کھانا پڑے گا۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

ٹھیک اُسی وقت کسی جانب سے ایک فائر ہوا تھا۔ گولی چٹان کے کنارے کو چھیلتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

''لیٹ جاؤ۔'' حمید پھرتی سے نیچے گرتا ہوا بولا۔ قاسم بوکھلاہٹ میں سجدے میں چلا گیا تھا اور زلیخا اوندھی پڑی تھی۔

''ابے لیٹ جا.....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔ ''تم دونوں سے کس نے کہا تھا کہ غار سے نکل آؤ۔''

''قق.....قق.....قیسے لیٹوں۔'' قاسم کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

پھر اُس نے دونوں ٹانگیں پھیلانے کی کوشش کی تھی اور لڑھکتا ہوا نشیب میں جانے لگا تھا۔ زلیخا نے لیٹے ہی لیٹے جھپٹ کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی تھی۔ ایک فائر پھر ہوا اور اس بار سمت کا بھی اندازہ ہوگیا۔ لیکن حمید نے جوابی فائر نہیں کیا تھا۔ رائفل وہیں رکھ کر تیزی سے بائیں جانب کھسک گیا تاکہ قاسم کو سنبھالنے میں زلیخا کی مدد کر سکے۔ دوسری ٹانگ خود اُس نے پکڑی تھی۔

بڑی دشواری سے قاسم کو کھینچ کر سیدھا کیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''مر ہی جانے دیا ہوتا..... مجھ تو.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''غضب خدا قا.....ایک روٹی اور دو بوٹیاں۔''

زلیخا کو ہنسی آ گئی اور حمید نے کہا۔ ''اس چٹان کی اوٹ سے باہر نکلے اور سچ مچ مارے گئے۔''

''قون زندہ رہنا چاہتا ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''بس بکواس بند۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ میں راستے کی نگرانی کروں گا۔''

وہ پھر اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے کتے پر حملہ آور ہوا تھا۔

اب وہ گھیرنے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتا تھا کہ رائفل اُس کے قبضے میں نہیں رہی۔ پچھلی رات فرار ہوتے وقت بدحواسی میں کہیں ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

ایک فائر پھر ہوا اور گولی ٹھیک اسی جگہ پڑی جہاں پہلے لگی تھی۔ لیکن حمید نے لاپرواہی

سے شانوں کو جنبش دی۔ خواہ مخواہ کارتوس نہیں ضائع کرنا چاہتا تھا اور پھر انہیں یہ بھی تو باور کرانا تھا کہ وہ خالی ہاتھ ہے۔ زلیخا لیٹے ہی لیٹے اس کے قریب کھسک آئی تھی۔

''تم بھی کیوں نہیں فائر کرتے۔'' اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

''بس دیکھتی رہو..... کارتوس ضائع کرنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''وہ ہمیں یہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔'' زلیخا مایوسی سے بولی۔

''دیکھا جائے گا۔''

''اب تو غار میں بھی واپس نہیں جاسکتے۔''

''چٹان کی اوٹ سے نکلے اور مارے گئے۔'' حمید نے کہا۔

''اگر وہ کوشش کریں تو اُدھر سے بھی اوپر آسکتے ہیں۔'' زلیخا بائیں جانب والی ڈھلان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''بس تو پھر تم اُدھر نظر رکھو۔ اگر اُن میں سے کوئی دکھائی دے تو مجھے مطلع کر دینا۔''

''اُدھر وہ دماغ چاٹنا شروع کر دے گا۔ بس تین روٹیاں اور باقی ہیں باسکٹ میں۔''

''اُس کی باتیں ایک کان سے سنو اور دوسرے سے اڑا دو۔''

''سب سن رہا ہوں بیٹا۔'' قاسم کی آواز آئی تھی اور زلیخا ہنس پڑی تھی۔

''سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں۔''

''چپ چاپ پڑا رہ۔''

''ابے جراتمیز سے..... ورنہ کوئی چٹان اکھاڑ کر سر پر دے ماروں گا۔''

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا اُدھر کا خیال رکھنا کہیں اُدھر سے نہ کوئی کتا چڑھ آئے۔''

''میں سب سمجھتا ہوں بیٹا۔ دیکھ لوں گا تمہیں۔''

حمید نے مزید چھیڑ چھاڑ مناسب نہ سمجھی۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم کے دل میں کیا ہے۔ زلیخا زیادہ تر اُسی سے گفتگو کرتی رہتی تھی اور قاسم دیکھ دیکھ کر بل کھاتا رہتا تھا۔ خود اُس کی اپنی منطق کے مطابق اپنے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہوئے زلیخا کو اُس کی طرف جھکنا چاہئے تھا۔ آخر زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ کیوں رہتی تھی۔

''یہ آدمی میری سمجھ میں نہیں آرہا۔'' زلیخا آہستہ سے بولی۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس تھوڑا سا کریک ہے۔'' حمید نے کہا لیکن اپنی آواز اونچی نہ ہونے دی۔ قاسم اُسی کو گھورے جا رہا تھا۔ دفعتاً سر ہلا کر بولا۔ ''ہاں..... ہاں..... اب دھیرے دھیرے قرو میری بُرائی۔''

''ہوشیار.....!'' حمید اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''ہم گھیر لئے گئے ہیں..... وہ آ رہے ہیں۔''

پھر اُس نے زلیخا سے قاسم ہی کی طرف جانے کو کہا تھا۔ دو مسلح آدمی چکر دار راستے کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ شائد انہیں سچ مچ یقین ہو گیا تھا کہ فرار ہو جانے والوں کے قبضے میں رائفل نہیں ہے۔

وہ اوپر آنے والے راستے کے قریب پہنچ کر رک گئے تھے۔ حمید نے ایک کی ٹانگ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ وہ جھٹکے کے ساتھ گرا تھا اور دوسرے نے اوٹ لینے کے لئے دوسری طرف دوڑ لگائی تھی۔ حمید نے پھر فائر کیا اور دوسرا بھی لڑکھڑا کر گر پڑا۔

دونوں کے ہاتھوں سے رائفلیں نکل کر دور جا پڑی تھیں اور وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے ان تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ شائد دوسرے کی بھی ٹانگ ہی زخمی ہوئی تھی۔

حمید نے اٹھ کر دوڑ لگائی تھی اور چکر دار راستے سے نیچے اترنے لگا تھا۔ دوڑنے سے قبل زلیخا اور قاسم سے وہیں ٹھہرنے کا کہا تھا۔

پھر قبل اس کے کہ وہ اپنی رائفلوں تک پہنچتے حمید اُن کے سروں پر جا پہنچا تھا۔

''ختم ہی کر دوں گا..... اگر اب جنبش بھی کی۔'' وہ اُن کی طرف رائفل اٹھاتا ہوا بولا۔

انہوں نے گردنیں ڈال دیں۔ ایک کے بائیں کولہے میں گولی لگی تھی اور دوسرے کی ران زخمی تھی۔

وہ خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھتے رہے۔ حمید جلد سے جلد اُن کی رائفلوں اور کارتوسوں پر قبضہ کر کے اوپر واپس جانا چاہتا تھا۔

''میرا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہیں صرف زخمی کیا ہے۔ ورنہ اتنی دور سے کھوپڑی یا دل کا نشانہ لینا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ اپنی کارتوسوں کی پیٹیاں اُتار کر میری طرف پھینک دو۔''

انہوں نے خاموشی سے تعمیل کی تھی اور حمید دونوں رائفلیں لے کر اوپر پہنچ تھا۔

''کیا ہوا..... کک..... کیا.....!'' زلیخا کی نظریں مالِ غنیمت پر جم گئیں۔

''بے فکر رہو۔ وہ صرف زخمی ہوئے ہیں اور شائد ان اطراف میں دو ہی تھے ورنہ میری واپسی ناممکن ہو جاتی۔''

''واہ.....واہ.....!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔''اب مزا آئے گا ٹھائیں ٹھوئیں کا۔ میں بھی چلاؤں غا رائفل۔''

''کیا تم بھی چلا سکتی ہو۔'' حمید نے زلیخا سے پوچھا۔

''کیوں نہیں! میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔''

''اور میں تو.....میں تو.....بس اللہ کے بھروسے پر فائر کر دیتا ہوں۔'' قاسم چہک کر بولا۔

میر سرائے کی گرفتاری کی خبر سن کر قتلو خان پاگل ہو گیا تھا۔ اُس کی یادداشت میں پہلی بار خان کے علاقے میں ایسی کوئی سرکاری کارروائی ہوئی تھی جس کا علم پہلے سے اُسے نہ رہا ہو۔ قتلو خان خطرناک آدمی تھا۔ لوگ اُس سے اس طرح خائف رہتے تھے جیسے وہ کارخانہ قدرت میں بھی دخیل رہا ہو۔ مضبوط جسم والا لمبا چوڑا آدمی تھا۔ آنکھیں خونخوار تھیں اور عام آدمی کی جرأت تک نہیں ہوتی تھی کہ اُس کے سامنے نظر بھی اٹھا سکے۔ بہتیروں نے آج تک اُس کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی حالانکہ دن رات اُس کے سامنے سے گزرتے رہتے تھے۔

''کرنل فریدی۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔''ہمارے علاقے میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہوئی تھی اُسے۔''

خبر لانے والوں پر بُری طرح گرجا برسا تھا۔ لیکن ہونے والی بات ہو ہی چکی تھی۔

ابھی یہی زخم تازہ تھا کہ دوسری اطلاع آ گئی۔ حمید اور قاسم کے فرار کی کہانی تھی۔ پوری روداد سن لینے کے بعد وہ دم بخود رہ گیا تھا۔

خبر لانے والے کو خونخوار نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد آہستہ سے پوچھا۔''انہیں

وہاں لے جا کر رکھنے کی تجویز کس کی تھی۔''

''شیر باز کی حضور۔'' خبر لانے والے نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کہاں ہے شیر باز.....؟'' قتلو خان دہاڑا۔

اور پھر ذرا ہی سی دیر میں شیر باز حاضر کر دیا گیا تھا۔

''تم سب باہر جاؤ.....!'' قتلو خان نے دوسروں سے کہا وہ چلے گئے اور صرف شیر باز کھڑا کانپتا رہا۔

''تجھے کب اور کہاں معلوم ہوا تھا کہ اُن میں سے ایک آدمی پولیس سے تعلق رکھتا ہے۔'' قتلو خان نے شیر باز سے سوال کیا۔

''وہیں خان! جہاں ہم نے انہیں گھیرا تھا۔ وہ بیہوش ہو گئے تھے اور ہم نے اُن کی جامہ تلاشی لی تھی۔ اُس کا شناخت نامہ جیب سے برآمد ہوا تھا۔''

''اور اس کے باوجود بھی تو انہیں وہاں لے گیا تھا جہاں زلیخا کو رکھا گیا تھا۔''

''پپ..... پہلے بھی تو.....!''

''پہلے کے بچے..... پہلے وہاں جو لوگ رکھے گئے تھے اُن میں کوئی پولیس والا نہیں تھا۔ وہ وہاں سے فرار ہو گئے اور زلیخا کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

شیر باز دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

''کھڑا ہو جا..... خبیث.....!'' قتلو خان دھاڑا۔

''معاف کر دیجئے خان.....!'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن اتنی دیر میں قتلو خان نے قریب پڑی ہوئی وزنی کرسی اٹھائی تھی اور اُس کے سر پر دے ماری تھی۔

وہ ایک کریہہ سی چیخ کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔ اُسے وہیں زخمی اور بیہوش چھوڑ کر وہ باہر آیا۔

یہاں دوسرا ہرکارہ باریابی کا منتظر تھا۔ اُس کی شکل دیکھتے ہی قتلو سمجھ گیا تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہوگا۔

''اب تو کیا خبر لایا ہے.....!'' وہ اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

''اچھی خبر نہیں ہے خان.....!''

''تیری شکل ہی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ بتا کیا بات ہے۔''

''ٹیڑھی چٹان والے غار کے قریب وہ گھیرے گئے تھے۔لیکن ایک کتے کو مار کر اور دو سپاہیوں کو زخمی کر کے وہ نکل گئے۔اب اُنکے قبضے میں تین رائفلیں اور وافر راؤنڈ موجود ہیں۔''

''لعنت ہو تم سبھوں پر.....!'' قتلو خان پیر پٹخ کر چیخا اور ہرکارے کی گھگھی بندھ گئی۔''وہ کتیا کی بچی انہیں شہر تک پہنچا دے گی۔''

ہرکارہ ہاتھ باندھے ہوئے زمین بوس ہوتا چلا گیا۔

''دفع ہو جاؤ نظروں کے سامنے سے.....!'' قتلو خان واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ اس نئی خبر نے شائد اُس کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

اُس کے پیچھے اُس کا نائب صمد خان بھی چلا تھا۔ایک جگہ رک کر قتلو خان نے اُس سے کہا۔''شیر باز اندر زخمی پڑا ہے۔اُس کی مرہم پٹی کرا دے۔''

''بب.....بہت.....بہتر خان۔'' صمد بوکھلا کر بولا اور وہیں سے پلٹ گیا۔

قتلو خان نے خواب گاہ کا رخ کیا تھا۔تشویش اور غصے کے عالم سے گزرنے کے بعد اُسے نیند آنے لگتی تھی۔بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ پھر اچھل پڑا۔

''کرنل فریدی.....اُس کا بھی کچھ انتظام ہونا چاہئے۔'' بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور پھر اُسی طرف چل پڑا جہاں دوسروں کو چھوڑ آیا تھا۔اپنے نائب صمد خان کو طلب کیا۔

''ہوش آیا اُس کتے کو.....!'' اُس نے پوچھا۔

''نہیں خان۔'' صمد خان نے کہا۔''اُسی حالت میں مرہم پٹی ہو رہی ہے۔''

''کرنل فریدی کے لئے تو نے کیا سوچا۔''

''مم.....میں کیا سوچوں خان۔حکم دیجئے.....بجا لائیں گے۔''

قتلو خان نے گردن اڑا دینے کا اشارہ کیا اور صمد خان سر کو تفہیمی جنبش دے کر رہ گیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں بدستور سراپا سوال بنی ہوئی تھیں۔

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ گلریز میں ٹھہرا ہوا ہے۔'' قتلو خان بولا۔

''اچھی بات ہے خان۔ہم کوشش کریں گے۔''

''اُس طرح نہیں۔جیسے وہ حرام خور کرتے رہے ہیں۔''

''زلیخا نے انہیں رہائی دلائی ہوگی۔میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اُس کا بھی قصہ پاک

کیا جائے۔''

''کیوں بکواس کررہا ہے۔ آج تک میرے ہاتھ کسی عورت کے خون سے رنگین نہیں ہوئے۔ وہ کتے یہ معلوم ہوجانے کے بعد بھی کہ اُن میں سے ایک پولیس آفیسر ہے انہیں وہاں کیوں لے گئے تھے۔''

''وہ تو بہت بڑی حماقت تھی خان۔''

''اگر وہ زلیخا سمیت ہمارے علاقے سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو میں بہتیروں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ انہیں گھیرے رکھنے کے لئے اور آدمی بھیجو۔''

''وہ تو کبھی کے بھیج دیئے گئے۔ نکاسی کے راستوں کی ناکہ بندی کردی گئی ہے۔''

''نذرگل کا بھائی نیازگل کہاں ہے۔''

''وہ کارواں سرائے کے قریب کہیں رہتا ہے۔''

''اُسے یہاں سے ہٹادو۔''

''بہت بہتر خان۔''

اتنے میں ایک آدمی کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر اندر آیا اور اُسے قتلو خان کے سامنے پیش کرکے کھڑا ہوگیا۔ قتلو خان نے کارڈ پر نظر ڈالی اور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''وہ خود ہی پہنچ گیا۔''

پھر اُس نے ہاتھ ہلا کر اُس آدمی کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اُسکے چلے جانے کے بعد صمد خان سے بولا۔ ''کرنل فریدی..... تم جاؤ اور اُسے کہہ دو کہ میں آرام کررہا ہوں۔ پھر کسی وقت آئے اور اُس کے کسی سوال کا جواب ہرگز نہ دینا۔ کیونکہ ہر قسم کی جوابدہی کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور دوسری بات اپنے علاقے کے باہر ہی اُس پر حملہ کرنا۔''

''بہت بہتر خان۔''

صمد خان باہر آیا۔ برآمدے کے سامنے تین جیپیں کھڑی تھیں جن پر باوردی مسلح آدمی بیٹھے نظر آئے۔ کرنل فریدی اگلی جیپ کے قریب کھڑا نظر آیا۔ صمد خان نے آگے بڑھ کر اُسے اطلاع دی کہ قتلو خان آرام کررہا ہے اور کوئی اُس کے آرام میں مخل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وہ پھر کبھی آئے۔

''دراصل مجھے نذرگل سے تھوڑی سی پوچھ گچھ کرنی ہے۔ میں نے کہا پہلے قتلو خان سے

اجازت حاصل کرلوں کہ یہاں کا یہی دستور ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' صمد خان نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''آپ اُس سے پوچھ گچھ نہیں کرسکیں گے کیونکہ تین دن ہوئے اُس کا انتقال ہوگیا۔''

''لیکن زخم تو مہلک نہیں تھا۔ غالباً ران میں گولی لگی تھی۔''

''پتا نہیں۔ آپ کس زخم کی بات کررہے ہیں۔ اُس کا تو حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال ہوا تھا۔''

''تب تو لاش نکلوانی پڑے گی قبر سے۔''

''کون نکلوائے گا.....؟'' صمد خان نے کسی قدر گرم ہوکر کہا۔

''میں نکلواؤں گا۔''

''ہم اپنے علاقے میں ایسی کسی غیر مذہبی حرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''اجازت تم نہیں دو گے۔ سیشن جج دے گا۔''

''خان اعظم کے علاقے میں اُن کا حکم چلتا ہے۔''

''انگریز عرصہ ہوا چلے گئے۔ اب ایسی مراعات باقی نہیں رہیں تم لوگ وہم میں مبتلا ہو۔''

''کچھ کرکے دیکھئے۔ پھر قدر و عافیت معلوم ہوجائے گی۔'' صمد خان کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔

''میر سرائے کو میں نے تمہارے ہی علاقے سے گرفتار کیا ہے۔''

''صوبے کے گورنر سے شکایت کردی گئی۔''

''اس کے باوجود بھی میں پھر یہیں موجود ہوں۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

''اور اُس وقت تک رکوں گا جب تک قتلو خان سے ملاقات نہ ہوجائے۔''

''ملاقات نہیں ہوگی۔ وہ نہیں ملیں گے۔'' صمد خان آپے سے باہر ہوا جارہا تھا۔

''مجھے تو اپنا فرض پورا کرنا ہے، خواہ دس دن گزر جائیں۔''

''ہم زبردستی اپنے علاقے سے نکال دیں گے۔''

''کوشش کرکے دیکھو۔''

''ٹھہرو.....ابھی بتاتا ہوں۔'' صمد خان نے کہا اور تنتاتا ہوا اندر چلا آیا۔ قتلو خان ابھی خواب گاہ میں نہیں گیا تھا۔ شائد وہاں اُسی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔

صمد خان نے غضب ناکی کے عالم میں اپنے اور فریدی کے مکالمے دہرائے اور قتلو خان وحشیانہ انداز میں دہاڑا۔ ''اُو حرامزادے۔ یہ کیا کیا تو نے۔ آدھا بیان دے آیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اُس کے کسی سوال کا جواب نہ دیجیو۔''

''لل.....لیکن.....خان.....!'' صمد خان سہم کر ہکلایا۔ ''اُس نے چھوٹتے ہی نذر گل کی بات شروع کر دی تھی۔ اپنے آدمیوں کا نام تک نہیں لیا۔''

''بس چلا جا سامنے سے ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

صمد خان چپ چاپ کھسک گیا۔ قتلو خان کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔ غصے کا یہ عالم تھا کہ اگر صمد خان تھوڑی دیر اور ٹھہرتا تو ضرور اپنی جان سے جاتا۔

معمول پر آنے میں کچھ دیر لگی تھی اور پھر قتلو خان اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

باہر آیا۔ فریدی جیپ کے بونٹ پر بائیں کہنی ٹکائے کھڑا سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا نظر آیا۔ قتلو خود اُس کے قریب ہی پہنچ کر رکا تھا۔

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ آہستہ سے غرایا۔ فریدی سگار ہونٹوں کی طرف لیجاتے لیجاتے رک کر بہ آہستگی اُس کی طرف مڑا اور سوالیہ نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''تم قبر نہیں کھدوا سکتے۔''

''ضرورتاً ایسا ممکن ہے قتلو خان.....!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''ضرورت کیوں پیش آئے گی۔''

''اس لئے کہ اُسے ڈاکوؤں نے زخمی کیا تھا۔ لیکن پولیس کو اس سے مطلع نہیں کیا گیا۔ پھر وہ مر بھی گیا۔''

''کسی نے غلط اطلاعات پہنچائی ہیں۔'' قتلو خان بولا۔ ''وہ چھ ماہ سے بیمار تھا۔ تین دن ہوئے اچانک حرکت قلب بند ہوگئی۔''

''میر سرائے نے باقاعدہ طور پر تحریری بیان دیا ہے۔''

''وہ سازشی ہے.....اگر کوئی اور بھی اُس کے بیان کی تائید کر سکے تو لاؤ۔ صرف اُسی کا بیان ناکافی ہوگا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے لیکن پھر میرے آدمیوں کی جیپ تمہارے علاقے میں کیوں ملی تھی؟''

''میں نہیں جانتا.....دن رات ادھر سے درجنوں گاڑیاں گزرتی رہتی ہیں۔''

''دوسری بات۔ نہ تم خود رہزنوں کا کوئی انتظام کر سکتے ہو اور نہ پولیس کو کسی واردات کی اطلاع دیتے ہو۔''

''ہمارا اپنا معاملہ ہے۔''

''نہیں قلو خان۔ یہ پوری قوم کا معاملہ ہے۔ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو وہ ملکی قوانین کے منافی ہے اور اس کے لئے تمہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ میں اس سلسلے میں براہِ راست خان اعظم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''خان کسی سے بھی نہیں ملتے.....میں مختار عام ہوں۔''

''مجھ سے ملیں گے.....بس اتنا معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کہاں ہیں۔ محل میں تو نہیں ہیں۔''

''کئی ماہ سے وہ شکارگاہوں میں ہیں۔ کسی سے بھی نہیں ملے۔''

''خیر.....کوئی اور صورت نکالی جائے گی۔''

''ایک بار پھر سن لو کہ اگر قبر کھودنے کی کوشش کی گئی تو بڑا خون خرابہ ہوگا۔ اس علاقے کے لوگ جانیں دے دیں گے لیکن لاش کی بے حرمتی گوارہ نہیں کریں گے۔''

''اور میں بھی تمہیں آگاہ کر دوں کہ اگر آج آٹھ بجے رات تک میرے دونوں آدمی گلریز تک نہ پہنچ گئے تو واقعی اس علاقے میں بڑا خون خرابہ ہوگا۔''

پھر اُس کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ جیپ میں بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے جیپوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں دیکھ لی تھیں۔

اُس نے صمد خان کو گیراج کی طرف دوڑتے دیکھا اور اُسے آواز دے کر روکتے ہوئے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں پہنچ کر بولا تھا۔''اس وقت نہ چھیڑ.....جانے دے۔''

''جیسا حکم خان! میں تو سر دھڑ کی بازی لگانے جا رہا تھا'' صمد خان نے کہا۔

''آج رات گلریز میں اس کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ آٹھ بجے سے پہلے پہلے۔''

''یہ زیادہ آسان ہوگا'' صمد خان سر ہلا کر بولا۔

''اور وہ تینوں علاقے سے نہ نکلنے پائیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ راستوں کی ناکہ بندی کردی گئی ہے۔''

''بس جاؤ۔'' قتلو خان نے کہا اور خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

بازیابی

وہ شمال کی طرف بڑھتے رہے حتیٰ کہ پھر سورج غروب ہونے لگا۔ دن بھر میں بمشکل ایک میل کی مسافت طے کی ہوگی۔ اول تو محتاط ہوکر چل رہے تھے اور پھر انہوں نے وہ راستے ترک کردیئے تھے جن پر تعاقب کرنے والوں سے مڈبھیڑ ہوجانے کا خدشہ ہوسکتا تھا۔

قاسم کی بُری حالت تھی۔ کبھی کبھی حمید اور زلیخا کو مل کر اُس کی مدد کرنی پڑتی تھی۔ سست روی کی وجہ بھی وہی تھا۔ قدم قدم پر بیوہ عورتوں کے سے انداز میں مقدر کی خرابی کی شکایت کرتا اور حمید کے ساتھ تو ایسا ہی رویہ تھا جیسے اُسی کی وجہ سے ''بیوہ'' ہوا ہو۔ زلیخا کبھی ہنستی اور کبھی جھنجھلاتی۔

سہ پہر کو ایک جگہ خوبانیوں کے چند خودرو درخت مل گئے تھے اور انہوں نے کچی پکی خوبانیوں سے کھانے کی جھاپی بھرلی تھی۔ ایک چشمے سے پانی کی چھاگل بھی سیراب ہوئی تھی۔ ہرحال بھوک کو بہلائے رکھنے کا سامان ہوگیا تھا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی شب بسری کے لئے کوئی مناسب سی جگہ تلاش کرلینا چاہتے تھے۔ حمید اپنی یادداشت کے سہارے انہیں ایسی راہ پر لایا تھا جس کا علم زلیخا کو بھی نہیں تھا اور وہ یہی سمجھتی تھی کہ وہ گم کردہ راہ ہوچکے ہیں۔ شائد ہی سرخاب ویلی تک پہنچ سکیں۔ ایک دو بار اُس نے اپنے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا۔

''مرجانے سے بہتر ہے کہ ہم راہ بھٹک جائیں۔'' حمید کا جواب تھا۔ اس پر قاسم نے اچھا خاصا واویلا مچاتے ہوئے کہا تھا۔ ''اور تمہارا کیا ہے بیٹا..... نہ کوئی آگے نہ کوئی پیچھے۔ مرو یا ہے زندہ رہو۔''

''تمہارے مرنے پر کون ہے رونے والا۔'' حمید نے کہا۔ ''باپ کو بھی خوشی ہوگی اور بیوی کو بھی۔''

''بیوی! بیوی قہاں ہے......ہی ہی ہی ہی......قیوں مزاخ کرتے ہو۔''

''ابھی تک آپ کی شادی نہیں ہوئی۔'' زلیخا نے حیرت سے کہا۔

جی نہیں......مجھ ایسے قو کون اپنی بیٹی دے گا۔''

حمید سختی سے ہونٹ بھینچے چلتا رہا۔ اس مشکل وقت میں بھی قاسم اپنی اس دماغی ٹیڑھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔ ہوسکتا ہے زلیخا ہی کی وجہ سے اُس نے سفر جاری رکھا ہو ورنہ کہاں قاسم اور کہاں دشوار گزار پہاڑی راستہ۔

جائے پناہ کی تلاش خاصی صبر آزما ثابت ہوئی۔ بھٹکتے پھر رہے تھے. ادھر اُدھر۔ آخر کار قاسم بولا۔ ''میں تو بیٹھا ہوں......اور زلیخا بی بی تم بھی بیٹھ جاؤ۔''

''کیا مطلب......؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''تم جا کر تلاش کرو......پھر ہمیں بھی بتا دینا۔''

''نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔'' زلیخا بولی۔

''قیوں نہیں ہوسکتا۔''

''تنہا کوئی کہیں نہیں جائے گا۔''

''ارے واہ...... بڑے ننھے بچے ہیں نا کہ کھو جائیں گے۔''

''کچھ بھی ہو......!'' زلیخا جھنجھلا کر بولی۔

حمید سمجھ رہا تھا کہ اب اُسکی خبر نہیں۔ ویسے قاسم اس کو اس بُری طرح گھور رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر زبان کھل سکی تو وہ چھوٹتے ہی کیا کہے گا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ رات کھلے ہی میں بسر کرنی پڑے گی۔'' حمید بولا۔ ''اتنی اونچائی پر کوئی غار نہیں مل سکے گا۔''

''اور یہ جو اتنی سردی ہو رہی ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''میری وجہ سے نہیں ہو رہی۔''

''ارے تو کیا اب تم دونوں آپس میں لڑو گے۔'' زلیخا بولی۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اواخر ماہ کا چاند بھی دیر سے طلوع ہوتا۔ اس لئے وہ جلد از جلد کہیں ڈیرہ ڈال دینا چاہتے تھے۔

اور پھر زلیخا نے ایک مناسب سی جگہ ڈھونڈھ ہی لی۔ تنگ سا درہ تھا جس کا اختتام ایک چٹان پر ہوا تھا۔ یعنی آگے راستہ نہیں تھا۔

''یہاں ہم آگ بھی جلا سکیں گے۔'' زلیخا بولی۔

''اور خوبانیاں پکائیں گے۔'' قاسم نے جل کر کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بُری طرح تھک گیا تھا اور سر کے زخم کی تکلیف پہلے سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''کیوں..... کیا بات ہے؟'' زلیخا نے اُس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے پوچھا اور حمید سر کی بینڈیج پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''یہ چوٹ کیسے لگی تھی۔''

''کیا تم سمجھتی ہو کہ میں آسانی سے اُن کے قابو میں آیا ہوں گا۔''

''ہرگز نہیں..... یہ تو دیکھ ہی چکی ہوں۔''

''اگر عقب سے حملہ نہ کرتے تو ہم پر قابو پانا مشکل ہوتا۔''

''پھر بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں۔''

''ایک بڑا سا پتھر اٹھاؤ اور مارو برادران لا کے سر پر۔'' قاسم بھنا کر بولا۔ جو پیچھے کھڑا اُن کی باتیں سن رہا تھا۔

''تم آخر اتنے وحشی کیوں ہو۔'' زلیخا غرائی۔

''چپ رہو..... کچھ نہ کہو۔ بیوی کی طرف سے بالکل یتیم ہے۔'' حمید بولا۔

''پھر وہی بیوی..... ابے کیوں عاقبت خراب کرتے ہو جھوٹ بول قر.....!'' قاسم نے بوکھلا کر کہا۔

''بس تو پھر زبان کو لگام دو۔''

زلیخا درے میں چلی گئی تھی اور لکڑیاں چن کر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اُس نے راستے بھر خشک لکڑیاں اکٹھا کی تھیں۔

ادھر قاسم حمید سے شکوہ کر رہا تھا۔ ''تم سالے پہلے دل بڑھاتے ہو اور پھر دل توڑ دیتے ہو۔''

''اس بکواس کا مطلب.....؟''

''وہ زیادہ تر تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم ہی سے باتیں بھی کرتی ہے۔''

''تو پھر میں قیا قروں.....!'' حمید نے جل کر اُس کے لہجے کی نقل اُتاری۔

''تمہارے لائک نہیں ہے۔''

''خاموش رہو..... وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ مجھے اُس سے ہمدردی ہے۔ تمہیں بھی ہونی چاہئے۔''

''ابے تو قیا میں اُسے گالیاں دے رہا ہوں۔''

''جو کچھ تم اُس کے بارے میں سوچ رہے ہو وہ گالی ہی دینے کے مترادف ہے۔''

''تم خود مترادف..... تمہارے باپ دادا مترادف.....!''

''مترادف کے معنی ہیں برابر.....!''

''ٹھینگے کے معنی ہیں مترادف..... جہنم میں جاؤ..... لیقن اب اگر میری بیوی کا نام لیا تو جان سے ماردوں غا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ سر میں شدید درد کے باوجود بھی پلکیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ اگر وہ سونا چاہتا تو اس میں سر کی تکلیف قطعی حارج نہ ہوتی۔ گویا نیند نہیں غشی طاری ہو رہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے خبر سو گیا تھا۔ قاسم اس سے بے خبر بیٹھا بڑبڑاتا رہا۔ بڑے دوست بنتے ہیں سالے..... ابے سب اپنے اپنے مطلب کے ہیں۔ قوئی کسی کا نہیں ہے۔ پہلے خود تو شادی کی بات قی تھی اور اب یہ..... میں بھی بتادوں غا کہ یہ فراڈ ہے۔ لونڈیوں سے پھلرٹ کرتا ہے..... کسی کو اپنا نہیں سکتا۔''

اتنے میں زلیخا قریب پہنچ کر بولی۔ ''چلو آگ کے پاس بیٹھو..... سردی بڑھ گئی ہے۔''

قاسم تو اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن حمید نے جنبش تک نہیں کی تھی۔

''چلو اُٹھو..... کیوں یہاں سردی میں بیٹھے ہوئے ہو۔'' زلیخا نے پھر کہا۔

''نخرے کر رہا ہے برادران لا.....!'' قاسم بولا۔

''یہ تمہارے برادران لا ہیں۔''

''نن.....نہیں.....وہ تو.....وہ تو.....!''

زلیخا اُسکی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھی تھی اور حمید کا شانہ ہلا کر اٹھنے کو کہا تھا۔لیکن کوئی جواب نہ پا کر اُسکے قریب دوزانو بیٹھتی ہوئی بولی۔''شائد ان پر غشی طاری ہوگئی ہے۔''

''ہونہہ غشی.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔''ان پر غشی طاری ہوگی۔''

''کیوں؟ کیا یہ آدمی نہیں ہیں۔''

''ہوں گے.....لیکن ان دونوں پر کچھ بھی طاری واری نہیں ہوتا۔''

''دوسرا کون.....؟''

''قرنل فریدی.....!''

''پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں.....بن رہا ہے برادران.....!'' قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اگر یہ بیہوش ہوگئے ہیں تو اٹھا کر آگ کے قریب لے چلنا پڑے گا۔''

''تو پھر اٹھاؤ۔'' قاسم نے کہا۔

''میں اٹھاؤں۔'' اُس نے حیرت سے کہا۔

''میں تو جھک نہیں سکتا۔تم اٹھا کر میرے ہاتھوں پر رکھ دو.....جہاں کہو گی پھینک آؤں گا۔''

''آخر تم اتنی بے دردی سے باتیں کیوں کرتے ہو۔''

''یہ خود ہی کون سا بڑا درد ا ہے میرے لئے۔''

''انہوں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔''

''تم طرف داری قیوں کر رہی ہو۔''

''زخمی ہیں.....اور ہمدرد آدمی ہیں۔''

''خدا قرے میں بھی زخمی ہو جاؤ۔''

''سچ کہتی ہوں.....تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''اس کی سب سمجھ میں آجاتی ہیں۔میں کہتا ہوں پچھتاؤ گی۔''

وہ جھلا کر آگے بڑھی اور خود ہی اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔ادھر قاسم بے چین ہو کر بولا۔''ارے ارے.....جرورت ہی قیا ہے۔یہیں آگ جلا ذو۔''

''کھلے میں آگ جلائی تو گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ جائیں گے۔''

''بڑی مشکل ہے۔'' قاسم نے کہا اور اُس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے جب اُس نے دیکھا کہ وہ اُس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

''اب تو اٹھ جاؤ سالے۔'' وہ دانت پر دانت جما کر آہستہ سے بولا۔''اب تو ارمان پورا ہو غیا۔''

''کیا ئیں..... ہائیں۔'' حمید منمنایا تھا لیکن زلیخا نے اُسے سیدھا کھڑا کیا اور اُس کا ایک ہاتھ اپنے شانوں پر رکھ کر اور کمر میں اپنا ہاتھ دے کر درے کی طرف لے چلی۔ وہ پوری طرح ہوشیار نہیں تھا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور جسم جھولا جا رہا تھا۔

قاسم دھپ سے بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ زلیخا ایسی پوزیشن میں تھی کہ مڑ کر اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ بس سینہ کوبی کی آوازیں سنتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ ویسے وہ قطعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ آوازیں کیسی ہیں اور قاسم کیا کر رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پلٹ آئی۔ قاسم اُسی طرح بیٹھا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

''تم بھی اُٹھو.....ورنہ نمونیہ ہو جائے گا۔'' اُس نے کہا۔

''آں.....!'' قاسم چونک پڑا۔''قیا ہے؟''

''میں نے کہا..... یہاں سے اُٹھو ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے۔ سردی بڑھ گئی ہے۔''

''نہیں..... مجھے مر جانے دو۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

''ارے سنو..... میں نے تمہارے لئے ایک روٹی بچالی تھی۔''

''روٹی کی بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں..... میں یہیں مر جاؤں غا.....!''

''تنہا نہیں مرو گے۔'' زلیخا جھنجھلا کر بولی۔''ہماری زندگیاں بھی خطرے میں ڈالو گے۔''

''جاؤ آگ کے پاس بیٹھو، تم نہیں مرو گی۔''

''تم کیوں نہیں بیٹھو گے۔''

''وہ سالا ڈرامہ کر رہا ہے..... میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو.....وہ سچ مچ غشی کی حالت میں ہیں۔''

''غشی.....!'' قاسم زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔''نہ وہ دونوں مر سکتے ہیں اور نہ بیہوش ہو سکتے ہیں۔''

''کون دونوں.....؟''

''کرنل فریدی اور کیپٹن حمید.....!''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' وہ اُس کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔''یہ دونوں کون ہیں۔''

''تم نہیں جانتیں۔''

''میں نے یہ نام اُن لوگوں کے بارے میں سنے ہیں جنہوں نے سرخاب ویلی میں ڈاکٹر ٹسڈل کے زیرِ زمین کارخانے کا پتا لگایا تھا۔''

''میں انہی کی بات قر رہا ہوں.....وہ جو ڈرامہ کر رہا ہے.....کیپٹن حمید ہے لونڈیوں کی جان کا دشمن۔''

''خدا کی پناہ.....تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔''

''تم قیا کرتیں۔''

''اتنی بے تکلفی سے تو نہ پیش آتی۔اُن کی عزت کرتی۔''

''میں واقعی بالکل چگد ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں نے تمہیں قیوں بتا دیا۔ڈاکٹر ٹسڈل نے مجھے بھی پکڑ کر ڈپٹی کمشنر بنا دیا تھا اور میں نے اُس کے ایک دیوزاد کو اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔''

''ضرور پٹخ دیا ہوگا۔ہاں میں نے سنا تھا کہ اُنکے ساتھ بھی ایک دیوزاد تھا۔تو وہ تم ہی تھے۔''

''الاقسم میں ہی تھا۔'' قاسم بے حد خوش ہو کر بولا۔

''اچھا تو اب اُٹھ چلو ورنہ سردی تمہیں اٹھا کر پٹخ دے گی۔''

''تم قہتی ہو تو چلا چلتا ہوں.....!'' قاسم کراہتا ہوا اٹھا اور اُس کے ساتھ درے کی طرف روانہ ہو گیا۔

حمید بے سدھ پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔قاسم نے روشنی میں اُس کا چہرہ

دیکھا تو سچ مچ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

''بیہوش ہی معلوم ہوتا ہے۔ مکاری نہیں قرر ہا'' اُس نے کہا۔

''مکاری کیوں کرنے لگے۔''

''تم نہیں سمجھ سکتیں۔''

''بس ختم کرو..... ذرا دیکھو بخار تو نہیں ہے۔''

قاسم نے حمید کے گالوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... یہ تو بھنا جا رہا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے لئے کیا کروں..... اگر ایسی حالت میں انہوں نے ہمیں آلیا تو کیا ہوگا۔''

''ہم دونوں مقابلہ کریں گے۔'' قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔

''لیکن ہم دونوں اتنے عقلمند نہیں ہیں جتنے یہ ہیں۔''

''رائفل عقل سے نہیں کارتوس سے چلتی ہے۔''

''اگر اُن کے ساتھ کتے بھی ہوئے تو۔''

''ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا سالوں کی۔''

''خاموش رہو۔'' وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے بولی اور قاسم اُلوؤں کی طرح دیدے نچا کر رہ گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر رائفل اٹھائی تھی اور قاسم کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے درے سے نکل گئی تھی۔ قاسم احمقانہ انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر یک بیک چونک کر اُس نے بھی رائفل کاندھے سے اُتاری تھی لیکن ٹھیک اسی وقت زلیخا درے میں داخل ہوئی۔

''قیا بات ہے۔'' قاسم اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''کچھ بھی نہیں..... شائد سماعت کا دھوکا تھا۔''

''کاہے کا دھوکا۔''

''مطلب یہ کہ مجھے وہم ہوا تھا۔ میں سمجھی شائد کوئی ادھر آ رہا ہے۔''

کرنل فریدی ناصر کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسے وکٹوریہ گارڈن میں بلایا تھا۔ خود عظمت محل نہیں جانا چاہتا تھا اور نہ گلریز میں اُس سے ملنا چاہتا تھا۔ فون پر بات ہوئی تھی اور ناصر نے وعدہ کیا تھا کہ ٹھیک پانچ بجے شام کو وکٹوریہ گارڈن میں پہنچ جائے گا۔ غالباً اس میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں ہوئی تھی۔ دونوں بڑی خوش دلی سے ملے تھے اور ناصر نے چھوٹتے ہی حمید اور قاسم کے بارے میں پوچھا تھا۔

''ابھی تک اُن کا سراغ نہیں مل سکا۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''دشواری یہ ہے کہ ابھی تک خان اعظم سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں۔ میں نے ساری شکارگاہیں بھی دیکھ ڈالیں۔''

''قتلو خان کے علاوہ اور کوئی بھی اُن کی مصروفیات سے واقف نہیں ہوتا۔'' ناصر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اُس نے کہا تھا کہ کسی شکارگاہ میں ہوں گے۔''

''خدا ہی جانے.....!'' ناصر بولا۔ ''ویسے کبھی کبھی وہ سرخاب ویلی سے باہر بھی جاتے رہتے ہیں لیکن اُس کا بھی قتلو خان کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہوتا۔''

''دو ماہ قبل جب شاہدہ وہاں گئی تھی تو کیا خان اعظم محل میں موجود تھے۔''

''موجود تھے۔ لیکن شائد تین دن بعد وہاں سے چلے گئے تھے۔ تیاری شکار ہی کی ہوئی تھی اور جب تک وہ وہاں مقیم رہی تھی اُن کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔''

''تو گویا اُسی وقت سے وہ کسی شکارگاہ میں ہیں۔''

''اگر وہاں نہیں ہیں تو کہیں باہر چلے گئے ہوں گے۔'' ناصر نے بُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''آج اگر آپ کی کال نہ آتی تو میں خود ہی ملنے کی کوشش کرتا۔''

''کوئی خاص بات۔''

''ممی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''اُوہ.....ضرور.....ابھی چلو۔''

''وہ بہت زیادہ پریشان نظر آتی رہی ہیں ان دنوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''شائد انہوں نے آپ سے کچھ کہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' ناصر کچھ دیر بعد بولا۔

''اگر یہ خان اعظم سے متعلق کوئی بات ہے تو یہ سب کے حق میں بہتر ہوگا۔''

''لیکن آپ نے مجھے کیوں طلب کیا تھا۔''

''یہی معلوم کرنے کیلئے کہ دو ماہ قبل شاہدہ اور خان اعظم کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔''

''آپ خود اُسی سے پوچھ لیجئے گا؟ میری یادداشت کے مطابق تو وہ اُس دوران میں وہاں موجود تھے۔''

''تم نے اُس ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں خانم کو کیا بتایا تھا۔''

''سچی بات بتا دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ ورنہ وہ یہی سمجھتیں کہ میں دیدہ دانستہ شاہدہ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ اس پر بھی بے حد خفا ہوں گی لیکن انہوں نے خلاف توقع سکوت اختیار کیا تھا اور پھر کل میں نے اُن پھوپھی کا ذکر چھیڑ دیا جن کے بارے میں آپ نے مجھے بتایا تھا۔ اس پر وہ متحیر رہ گئیں۔ اُن کی دانست میں پھوپھی کی اسی عجیب وغریب بیماری کا علم خاندان کے چند افراد کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ بچوں تک تو یہ بات پہنچی ہی نہیں تھی۔ تب پھر میں نے انہیں بتا دیا کہ اُس کا علم مجھے آپ سے ہوا تھا۔''

''خوب.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اور اس کے بعد ہی انہوں نے مجھ سے ملنے پر اصرار کیا ہوگا۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''اچھا تو پھر چلو۔''

کچھ دیر بعد اُن کی گاڑیاں عظمت محل کی طرف روانہ ہوگئی تھیں۔ خانم نے اس بار فریدی کا استقبال خندہ پیشانی سے کیا تھا۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کمال میاں۔'' انہوں نے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو بڑی بہن سمجھتا ہوں۔''

''تمہارے باپ میرے مائیکے میں خاندان ہی کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے۔''

''مجھے علم ہے۔''

'تم اب جاسکتے ہو۔'' خانم نے ناصر کی طرف مڑ کر کہا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور دیوان خانے سے چلا گیا۔

''سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ حمید اور قاسم ملے یا نہیں۔''

''ابھی تک تو نہیں ملے۔ تلاش جاری ہے۔''

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہماری پشت پناہی کرنے کے سلسلے میں مارے نہ گئے ہوں۔''

''تو آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ خان اعظم.....!''

''تمہیں واقعات کا علم نہیں ہے۔'' خانم اُس کی بات کاٹ کر بولیں۔

''میں نے ناصر اور شاہدہ دونوں سے چھپائے رکھا تھا۔ لیکن! ب اُس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ مجھے بھی اپنے ہمدردوں کی تلاش ہو۔''

''میں کسی معاملے میں پیچھے نہیں رہوں گا۔ آپ مجھ پر اعتماد کرسکتی ہیں۔''

''آج سے ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ خان نے شاہدہ کا رشتہ قتلو خان کیلئے مانگا تھا۔''

''قتلو خان کے لئے.....!'' فریدی چونک پڑا۔

''ہاں.....تم خود سوچو.....میرے ذہن کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ قتلو خان کی دو بیویاں پہلے سے موجود ہیں اور وہ قطعی اس قابل نہیں ہے کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔ چہ جائیکہ رشتہ دینا۔ اگر ناصر کو یہ بات معلوم ہوجائے تو چچا پر رائفل تان کر کھڑا ہوجائے گا۔''

''قدرتی بات ہے۔ لیکن کیا خان نے اس سلسلے میں براہِ راست گفتگو کی تھی۔''

''نہیں قاصد اُن کا خط لایا تھا۔''

''پھر آپ نے کیا جواب دیا۔''

''میں نے اُسی قاصد کے ہاتھ انکار کا خط بھجوایا تھا۔ اُس کے بعد ہی سے ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کی جانے لگی تھی۔''

اور پھر خانم نے ریسٹ ہاؤز والے واقعات اپنے طور پر دہراتے ہوئے کہا۔ ''اس

طرح واضح طور پر اعلان جنگ کر دیا ناصر کے چچا نے۔ بہرحال کیپٹن حمید نے ہمارا ساتھ دینے کی کوشش کی تھی۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ خان اعظم اس حد تک گر جائیں گے۔''

''قتل کے لئے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔''

''تو شاہدہ کی بیماری کا سلسلہ پیغام آنے سے پہلے شروع ہوا تھا یا بعد میں۔''

''پہلے ہی۔ وہ چند دنوں کے لئے خان کے دیہی محل میں گئی تھی۔ وہاں سے واپسی پر ایک رات دورہ پڑا تھا بلی کی آواز سن کر اور پھر اُس کے کچھ دنوں بعد خان کا قاصد رشتہ لے کر آیا تھا۔''

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد خانم بولیں۔ ''روشن زمانی بیگم کے اس پُراسرار مرض کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو۔''

''بس اتنا ہی جتنا ناصر میاں کو بتا چکا ہوں۔''

خانم طویل سانس لے کر رہ گئیں۔

''کیا آپ اس سلسلے میں کچھ اور بھی جانتی ہیں۔'' فریدی انہیں غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں..... نہیں تو..... ناصر کے باپ نے مجھے اس سے زیادہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن..... لیکن میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا تھا جیسے انہوں نے مجھے پوری بات نہ بتائی ہو۔''

''خیر..... اب یہ بتایئے کہ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم کیا کر سکو گے۔ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔''

''شائد کچھ کر ہی سکوں! اگر روشن زمانی خانم سے متعلق تفصیل سے معلوم ہو سکے تو ممکن ہے آپ کی دشواریوں کا حل بھی نکل آئے۔''

''افسوس کہ میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔ شاہدہ کے بارے میں ڈاکٹر نجیب کا کہنا ہے وہ کسی واقعے سے دہشت زدہ ہو کر اُسی واقعے کو بھول گئی ہے۔ بلی کی آواز سن کر ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوتی ہے اور بیہوش ہو جاتی ہے۔'' خانم نے کہا۔

''بالکل نہیں بھولیں۔ ورنہ صرف بلی کی آواز ہی کیوں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''بلی کی آواز اُسی واقعے کا ایک جزو ہوسکتی ہے۔ بلی کی آواز سن کر وہ اُس واقعے کو یاد کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور ذہنی ہیجان میں مبتلا ہوکر بیہوش ہوجاتی ہیں۔''

''اللہ ہی بہتر جانے.....ڈاکٹر نجیب نے بھی ناصر سے کچھ ایسی ہی باتیں کہی تھیں۔''

''کیا آپ مجھے شاہدہ سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی اجازت دیں گے۔''

''وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔''

''پھر کسی وقت سہی۔ یہ بہت ضروری ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہئے۔ آپ کا راز میری ذات سے آگے نہیں بڑھے گا۔''

''میں مطمئن ہوں کمال میاں اور پھر یہ راز راز نہیں رہا۔ پتہ نہیں کس طرح یہ بات بہتیرے اعزہ تک پہنچ گئی ہے۔''

''غالباً اُسی کے توسط سے پہنچی ہوگی جو اس کا ذمہ دار ہے۔ وہ یہی تو چاہے گا کہ شاہدہ کی شادی کی بات کہیں اور نہ ہوسکے۔ ورنہ اُسکا پیغام اس مرض کی ابتداء سے پہلے آنا چاہئے تھا۔''

''خدا جانے۔''

''بہرحال میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔''

''شاہدہ سے کیا پوچھو گے۔''

''صرف خان اعظم کے متعلق باتیں ہوں گی۔ اُن کے مرض کا حوالہ تک نہیں ہوگا۔ آپ مطمئن رہئے۔''

فریدی وہاں سے روانہ ہوکر ہوٹل گلریز پہنچا تھا اور گاڑی پارک کرکے بالائی منزل پر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا تھا۔ اچانک پورے ہوٹل کی روشنی غائب ہوگئی۔ وہ اس وقت پانچویں زینے پر تھا۔ ریلنگ پر ہاتھ ٹیک کر بائیں جانب کود گیا۔ ساتھ ہی بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

ڈائننگ ہال میں افراتفری مچ گئی۔ بھانت بھانت کی آوازیں اندھیرے میں گونجنے لگی تھیں۔ پھر ایک منٹ کے اندر ہی اندر دوبارہ روشنی بھی ہوگئی تھی۔ فریدی نے بڑی پھرتی سے ریوالور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

اُس نے خطرے کی بو سونگھی تھی اور قبل اس کے کہ وہ دوبارہ زینوں کی طرف بڑھتا یہ

معلوم ہوگیا کہ روشنی کیوں غائب ہوئی تھی۔ کسی نے مین سوئچ آف کیا تھا اور ہوٹل کے عملے نے اُسے پکڑ بھی لیا تھا۔ سپروائزر لپکتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ فریدی اُس کے پیچھے تھا۔ پہلے وہ سمجھا تھا شائد زینوں پر کسی حملہ آور سے مڈبھیر ہوگی۔ لیکن تاریکی کے وقفے میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا تھا۔

برآمدے میں کچھ لوگ نظر آئے۔ جنہوں نے کسی کو گھیر رکھا تھا اور پھر جب فریدی نے اُس کی شکل دیکھی تو ذہن کے کسی گوشے میں شناسائی کی لہریں متحرک ہوگئیں۔ اُس نے اُسے آج ہی ڈیرہ غزن خان میں دیکھا تھا۔ قتلو خان کی حویلی میں نظر آنے والی بھیڑ میں وہ بھی شامل تھا جیسے ہی اُس کی نظر فریدی پر پڑی اُس نے گھیرا توڑ کر نکل جانے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا ہاتھ اُس کے گریبان تک پہنچ چکا تھا۔ بھیڑ کائی کی طرف پھٹ گئی اور سپروائزر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا۔ وہ اُس کی شخصیت سے واقف تھا۔

''اسے کہیں الگ لے چلو۔'' فریدی نے سپروائزر سے کہا۔ ''اور یہاں سے بھیڑ ہٹاؤ۔''

اُس نے نکل بھاگنے کے لئے جدوجہد تیز کردی تھی۔ لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان نہیں تھا۔ اُسے سپروائزر کے کمرے میں لایا گیا۔ فریدی نے اُس کا ہاتھ مروڑ کر اُسے دیوار سے لگ کر کھڑے ہوجانے پر مجبور کردیا اور سپروائزر کو جامہ تلاشی لینے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جلدی کرو۔''

اُس کے پاس سے ایک خنجر برآمد ہوا تھا۔

''میرے کمرے میں کتنے آدمی داخل ہوئے ہیں۔'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے جانے دو۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''اگر میں تمہیں پہچانتا نہ ہوتا تو ضرور باور کرلیتا۔''

اُس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''جلدی..... ورنہ یہاں سے سیدھے ہسپتال پہنچو گے۔''

وہ پھر بھی خاموش رہا۔ اس بار فریدی کا الٹا ہاتھ اُسکے منہ پر پڑا تھا۔ لڑکھڑا کر سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ گھونسہ پیٹ پر پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے ہوئے دوہرا ہوگیا۔

فریدی نے اُس کے بال مٹھی میں جکڑے اور ایک جھٹکے کے ساتھ سیدھا کردیا۔

''سب..... بتاتا ہوں.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''جلدی! میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''دو.....دو آدمی۔''

''اُن کے پاس ریوالور ہیں یا خنجر۔''

''خنجر.....!''

''اس کے ہاتھ پیر باندھ کر یہیں ڈال دو۔'' فریدی نے سپروائزر سے کہا۔

''میں نے بتا تو دیا اب مجھے جانے دو۔'' وہ آدمی ہانپتا ہوا بولا۔

''واپس گئے تو نذر گل ہی کی طرح دفن کر دیئے جاؤ گے۔ اس معاملے میں زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کی سزا ہوگی۔''

وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

سپروائزر نے دروازہ کھول کر اپنے آدمیوں کو آوازیں دی تھیں اور وہ ذرا ہی سی دیر میں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔

''کیا قصہ ہے جناب.....!'' سپروائزر نے فریدی سے پوچھا۔

''میرے قتل کی سازش۔''

''خدا کی پناہ۔''

پھر فریدی نے وہیں سے پولیس فورس کے مقامی ہیڈ کوارٹر کو فون کیا تھا۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر ہی ہومی سائیڈ اسکواڈ وہاں پہنچ گیا تھا۔ جو سات مسلح افراد پر مشتمل تھا اور جس کی قیادت خود ایس پی ہومی سائیڈ نے کی تھی۔

وہ دونوں فریدی کے کمرے سے برآمد کر لئے گئے۔ اُن کے پاس سے خنجر بھی برآمد ہوئے تھے اور ریوالور بھی۔

''صمد خان..... میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔'' ایس پی ہومی سائیڈ نے اُن میں سے ایک کو مخاطب کیا۔

صمد خان کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''اسے یہیں میرے پاس چھوڑ دیجئے۔'' فریدی نے ایس پی سے کہا۔ ''اور دوسرے کو

لے جایئے۔ یہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خان اعظم حکومت سے بھی ٹکر لے سکتے ہیں اور ہاں.....ایک آدمی سپروائزر کے کمرے میں بھی ہے۔''

ایس پی نے دو مسلح آدمی فریدی کے کمرے کے باہر چھوڑے تھے اور قیدی کو لے کر چلا گیا تھا۔

''تو تمہارا نام صمد خان ہے۔ غالباً قتلو خان کے معتمد ہو۔'' فریدی نے صمد خان کو گھورتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔

''بہرحال تم نے دیکھ لیا کہ خان اعظم اور قتلو خان کتنے بااثر ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ نے مجھے یہاں کیوں روکا ہے۔'' صمد خان نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''مجھے یقین ہے کہ تم میرے دونوں آدمیوں کے بارے میں صحیح اطلاع دے سکو گے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''کیا تم سڑک پر ذلیل ہونا چاہتے ہو.....میرا خیال ہے کہ ایس پی ہی کی طرح تمہیں اور لوگ بھی پہچانتے ہوں گے۔''

صمد خان نے جھرجھری سی لی اور بولا۔ ''اب وہ ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ جہاں رکھے گئے تھے وہاں سے فرار ہو گئے۔ پھر ایک جگہ گھیرے گئے لیکن ہمارے دو آدمیوں کو زخمی کر کے وہاں سے بھی نکل گئے۔''

''دونوں جگہوں کی نشاندہی کرو۔''

اُس نے تب بتانا شروع ہی کیا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یوں نہیں۔''

وہ اٹھا تھا اور ایک کپ بورڈ سے ایک نقشہ نکال کر میز پر پھیلا دیا تھا۔

''عمارت اور اُس جگہ کا تعین کرو۔''

صمد خان نے دو جگہ پنسل سے نشانات لگائے تھے اور بولا تھا۔ ''اب میرا کیا ہوگا۔''

''میں تمہیں اپنی فتح کی علامت کے طور پر واپس بھی بھیج سکتا ہوں لیکن تمہارا انجام بھی نذر گل ہی کا سا ہوگا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں۔''

''بس تو پھر فی الحال جیل چلے جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ وعدہ معاف گواہ کی حیثیت

سے تمہیں رہائی دلا دوں گا۔''

''شش..... شکریہ۔'' صمد خان طویل سانس لے کر بولا۔ ''ایک بات اور ہے۔ علاقے سے نکاسی کے راستے کی سخت ترین ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ اس لئے آپ کے آدمی راکیل کے آس پاس ہی بھٹک رہے ہوں گے۔''۔

''میں دیکھوں گا..... ہاں! خان اعظم سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''اگر محل میں نہیں ہیں تو قتلو خان کے علاوہ اور کوئی بھی اُن کی نشاندہی نہ کر سکے گا۔'' صمد خان نے کہا۔

''اُس نے کہا تھا کہ وہ کسی شکارگاہ میں ہوں گے۔ لیکن ساری شکارگاہیں چھان ڈالی گئیں۔''

''بس تو پھر وہ بتانا ہی نہیں چاہتا۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔''

''آپ کے آدمیوں کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ اچھی گواہ ثابت ہوگی۔'' صمد خان نے کہا اور اُسے زلیخا کے بارے میں بتانے لگا۔

''درندگی کی انتہا ہے۔'' فریدی ناخوشگوار لہجے میں بولا تھا۔ ''خیر اب وقت آ گیا ہے کہ اس فتنے کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے۔''

صبح ہوتے ہوتے انہوں نے فائروں کی آوازیں سنی تھیں اور سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔ حمید اب پوری طرح ہوش میں تھا۔ زلیخا نے درے سے باہر نکلنا چاہا لیکن اُس نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔ ''آوازیں دور کی ہیں۔ چین سے بیٹھی رہو۔''

''کیا وہ آپس ہی میں لڑ گئے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے ہمارے آدمی ہوں۔'' حمید بولا۔

''ان قے آدمی۔'' قاسم طنزیہ انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

''کیا وہ آپس میں بھی لڑ جاتے ہیں۔'' حمید نے کچھ دیر بعد زلیخا سے پوچھا۔ فائروں کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔

''کبھی سنا نہیں۔''

''اے یہ ٹھائیں ٹھوئیں ہوتی رہی تو آگے قیسے بڑھیں گے۔'' قاسم بولا۔

''نہیں بڑھیں گے۔ یہیں پڑے رہیں گے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم نے اتنی بلندی پر پناہ لی ہوگی۔''

''بس سب کچھ تم ہی سوچ سکتے ہو۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''کیا تمہارا بولنا ضروری ہے۔'' زلیخا نے کہا۔

''تم کہتی ہو تو نہیں بولوں غا..... چاہے جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر زلیخا نے حمید سے کہا۔ ''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں جناب۔ نادانستگی میں بعض گستاخیاں بھی کر چکی ہوں۔''

''ارے ارے..... ہائیں..... یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھی۔''

حمید نے قہر آلود نظروں سے قاسم کی طرف دیکھا۔ جو سر جھکائے شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''اُن پر ناراض نہ ہوں۔ آخر چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے دشمن تو جانتے ہی ہوں گے کہ آپ کون ہیں۔''

''نہ جانتے ہوتے تو اتنی تگ دو کیوں کرتے۔''

''پتا نہیں..... نذر گل کو کس مہم پر روانہ کیا گیا تھا کہ افشائے راز کے ڈر سے انہیں اس حد تک جانا پڑا۔ ورنہ یہ لوگ تو پولیس والوں سے میلوں دور رہتے ہیں۔''

''میں بھی یہی سوچتا رہا ہوں۔''

''اجاجت ہے تجھ بولنے تی۔''

''فرمایئے.....فرمایئے.....!'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تم سے نہیں پوچھا تھا۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

''مجھ سے پوچھا تھا؟'' زلیخا نے ہنس کر سوال کیا۔

''جی غاں.....!''

''کہو.....کیا کہہ رہے تھے۔''

''بھول غیا.....!'' قاسم نے کہہ کر رائفل اٹھائی تھی اور خود بھی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

''کہاں چلے۔'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں بھی فائر کروں گا۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا.....بیٹھو۔''

''ارے واہ.....قیا تمہارا حکم چلتا ہے مجھ پر.....!'' اُس نے دھانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''تم روکو.....میری نہیں سنے گا۔'' حمید نے آہستہ آہستہ سے زلیخا کو مخاطب کیا۔

''قاسم صاحب! واپس آیئے۔'' زلیخا نے کہا اور قاسم کے قدم رک گئے۔

''آپ کہتی ہیں تو نہیں جاؤں غا.....!'' وہ بڑی سعادت مندی سے بولا اور پھر اُن ہی کی طرف پلٹ آیا۔

''مجھے تو اب یہ کئی طرف کی آوازیں معلوم ہو رہی ہیں.....!'' حمید نے کہا اور اٹھ کر دہانے کی طرف بڑھا۔

''آپ کہاں چلے۔'' زلیخا بولی۔

''اپنے اندازے کی تصدیق کروں گا۔''

''قرنے دو.....قرنے دو۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''میں بیچارہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

''آپ ہی نے تو سب کچھ کیا ہے۔'' زلیخا نے کہا۔ ''نہ آپ کو غصہ آتا اور نہ ہمیں رہائی نصیب ہوتی۔''

''بہت بُرا کیا تھا میں نے۔ آرام سے بندھے کھڑے ہوئے تھے۔ اب دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔''

''کمال ہے۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔''

''ہاں میں کہہ رہا ہوں...... پہلے میں تھا اور اب وہ ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ میرا مقدر ہی خراب ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ شائد اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کس طرح کہے۔

اتنے میں حمید پلٹ آیا اور بولا۔ ''میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ فائروں کی آوازیں کئی اطراف سے آ رہی ہیں۔ شائد نکاسی کے راستوں کی ناکہ بندی توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

''امے جاؤ...... بس بیٹھے ہوائی قلعے بنایا قرو......!'' قاسم نے ہاتھ نچا کر کہا۔

''تم پھر بولے۔''

''جرور بولوں غا...... میں بھی منہ میں جبان رکھتا ہوں۔''

''بیٹے بھوکوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ...... پھر کھولنا زبان۔''

''مر جاؤں غا...... تم کاندھا نہ دینا جنازے کو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ورنہ کاندھا بھی تمہارے ہی ساتھ جائے گا۔''

''بھئی...... ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ سرخاب ویلی پہنچنے کی سوچئے۔'' زلیخا نے کہا۔

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عجیب طرح کی آواز سنائی دی۔

''یہ کیسی آواز تھی......!'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی کی آواز تھی۔'' قاسم نے بھنا کر کہا اور زلیخا ہنسنے لگی۔ قاسم کے پیٹ کی قراقر خاصے فاصلے سے بھی سنی جا سکتی تھی۔

''شائد کچی پکی خوبانیاں بول رہی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بس...... جبان بند...... ورنہ اٹھا کر پٹخ دوں غا۔'' قاسم آپے سے باہر ہو گیا۔

''بھئی خدا کے لئے آپ لوگ لڑائی جھگڑا ختم کر کے کوئی ڈھنگ کی بات سوچئے۔ کب ...ح بھٹکتے پھریں گے۔'' زلیخا نے کہا۔

...فی الحال آگے بڑھنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ پتا نہیں کس طرف کی گولیاں ہمیں چاٹ

جائیں۔'' حمید بولا۔

''تم بیٹھے رہو۔ ہم تو جائیں گے۔'' قاسم نے کہا۔

''ہم سے کیا مراد ہے۔''

''ہم دونوں..... کیوں آپ چلیں گی نا میرے ساتھ۔''

''آپ سے چلا بھی جاتا ہے۔'' حمید بولا۔

''تم مت بولو..... تم سے بات نہیں کر رہا۔''

''چچ..... چچ..... چپاتی۔''

''ارے ہی ہی ہی.....!'' قاسم زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ''میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

''کیا بات ہوئی..... چچ..... چچ..... چپاتی.....!'' زلیخا نے حیرت سے کہا۔

''کچھ نہیں۔'' قاسم شور مچانے والے انداز میں بولا۔ ''بھوک لگ رہی ہے نا حمید بھائی کو۔''

''بھائی بھی ہو گئے۔''

''بہت پرانا بھائی ہے..... قیوں حمید بھائی۔''

''اور کیا..... جب یہ بہت بولنے لگتا ہے تو میں اسکے منہ پر چپاتی باندھ دیتا ہوں۔''

''اب بس ختم کرو۔'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔'' زلیخا نے سر ہلا کر کہا۔

''چپاتی سمجھی نہیں کھائی جاتی ہے۔ اگر کسی خاتون کا نام چپاتی بیگم ہو تو کیسی رہے گی۔'' حمید بولا۔

''تمہاری دم رہے گی۔ الاقسم رائفل ہے میرے ہاتھ میں۔''

''آپ لوگ مجھے کیوں الجھن میں ڈال رہے ہیں۔'' زلیخا آہستہ سے بولی تھی۔

''قوئی الجھن کی بات نہیں ہے۔ بھلا چپاتی کی کیا الجھن.....! حمید بھائی سالا کبھی کبھی سنک جاتا ہے۔''

''نہیں بتانا چاہتے تو میں مجبور بھی نہیں کروں گی۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''چپاتی کے نام پر اسے اپنی ایک خالہ یاد آجاتی ہیں جن سے یہ بہت ڈرتا ہے۔''

''دیکھو.....دیکھو.....!'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔''جبان سنبھالو ورنہ پچھتاؤ گے.....
خالہ ہوگی تمہاری۔''

''اچھا میں سمجھ گئی۔ کسی عورت کی بات ہے جسے آپ لوگ چپاتی بیگم کہتے ہیں۔''

''سمجھ جاؤ.....میرے ٹھینگے سے۔'' قاسم کو پھر غصہ آ گیا۔

''اُوہ.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔''یہ آوازیں تو بہت قریب کی معلوم ہوتی ہیں۔
ہوشیار رہنا۔ ٹھہرو۔ مجھے دہانے کے قریب جانے دو۔''

''باہر مت نکلئے گا۔'' زلیخا بولی۔

''فکر نہ کرو۔''

''فکر کرنے کے لئے تو یہ خود پیدا ہوئے ہیں۔'' قاسم نے جل کر کہا۔

''خاموش رہو۔ کیا مرنے ہی کا ارادہ ہے۔'' حمید کہتا ہوا دہانے کی طرف بڑھ گیا۔ زلیخا
اور قاسم نے بھی اپنی رائفلیں سنبھال لی تھیں۔

''ارے۔'' دفعتاً زلیخا چونک کر۔''یہ تو کوئی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کچھ کہہ رہا ہے۔''
پھر وہ بھی تیزی سے دہانے کی طرف بڑھی تھی۔ قاسم بھی اٹھا۔ حمید کے قریب پہنچ کر
دونوں رک گئے تھے۔

آواز آہستہ آہستہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ صاف سمجھ میں آنے لگی۔ کوئی لاؤڈ اسپیکر
کے ذریعے کہہ رہا تھا۔''کیپٹن حمید پلیز..... پناہ گاہ سے باہر آ جایئے.....گھیرا توڑ دیا گیا ہے۔''

''یہ فریب بھی ہوسکتا ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔''اور حقیقت بھی ہوسکتی ہے۔ اس
لئے ہمیں مزید انتظار کرنا پڑے گا۔''

''سوال یہ ہے کہ انہیں ہمارے فرار کا حال کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔'' زلیخا بولی۔

''ممکن ہے قتلو خان کا کوئی خاص آدمی پولیس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔''

''امکان تو ہے لیکن فوری طور پر یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا۔'' زلیخا نے کہا۔

''ذرا دیر صبر کرو.....حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔''

''کیپٹن حمید پلیز.....سرچ پارٹی کالنگ.....!'' آواز پھر آئی۔

''کچھ کیجئے۔'' زلیخا مضطربانہ انداز میں بولی۔''اگر وہ یہاں سے گزر گئے تو پھر بڑی

دشواری ہوگی۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید بولا۔ "میں جارہا ہوں۔ لیکن تم دونوں باہر قدم نہ نکالنا۔ بات بگڑنے کی صورت میں شائد تنہا میں خود کو بچالوں لیکن اگر تم دونوں بھی ساتھ ہوئے تو دشواری ہوگی۔"

وہ درے سے نکل گیا اور یہ دونوں حسب ہدایت وہیں ٹھہرے رہے۔ زلیخا کی آنکھوں سے گہری تشویش ظاہر ہورہی تھی۔ دفعتاً قاسم بولا۔ "اگر پولیس ہی ہوئی تو آپ قیا قریں گی۔"

"سوال کا مطلب ہی نہیں سمجھی۔"

"آپ اتنی ناسمجھ قیوں ہیں..... کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔"

"قاسم صاحب..... پلیز..... کچھ دیر خاموش بھی رہئے۔"

"کھاموش ہی کھاموش ہیں..... میری زندگی برباد ہوگئی۔"

"اچھی بات ہے۔ تو پھر کہتے رہئے۔ میں سمجھ لوں گی کہ ستار بج رہا ہے۔"

"نہیں کتا بھونک رہا ہے۔ مروت قیوں کرتی ہیں۔"

"قاسم بھائی رحم کیجئے۔"

"بلکہ اب تو جہنم ہی میں جایئے۔ قق قاسم بھائی..... ی ی ی ی۔" قاسم نے کہا اور پتھر سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگا۔

اتنے میں حمید نے واپس آکر اطلاع دی تھی کہ وہ فریب نہیں تھا۔ حقیقتاً پولیس پارٹی ہی تھی۔

"کرنل صاحب بھی ساتھ ہیں۔" اُس نے قاسم سے کہا۔

"ایک نہ شد دو شد.....!" قاسم کا جواب تھا۔ وہ کسی تھکے ہوئے بیل کی طرح ڈکراتا ہوا اٹھ گیا۔

ناصر کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ غصہ سے

سرخ ہو رہا تھا۔ پہلے سے اطلاع دیئے بغیر گلریز تک پہنچا تھا اور فریدی کے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ محض اتفاق ہی تھا کہ فریدی سے ملاقات ہوگئی ورنہ اگر دو منٹ کی تاخیر سے بھی پہنچا ہوتا تو اُسے مایوسی ہی ہوتی۔ کیونکہ فریدی کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔ اُس نے ناصر کا حلیہ دیکھا اور ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے بعد نرم لہجے میں بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... اپنے حواس مجتمع کرلو۔ پھر بات کرنا۔''

''انتہا ہوگئی۔'' وہ جھٹکے دار آواز میں کہتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

فریدی باتھ روم سے گلاس میں پانی لایا تھا اور اُس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

ناصر نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کردیا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کرلیں۔

فریدی خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کچھ سکون محسوس کررہے ہو۔''

''سکون کہاں۔'' ناصر آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ ''ممی کے درس اخلاقیات نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔''

وہ ایک بار پھر طیش میں آکر سیدھا ہو بیٹھا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ''انہوں نے ڈرائیور کو مار ڈالا۔ شاہدہ غائب ہوگئی اور وہ اب بھی یہی کہے جارہی ہیں کہ رپورٹ درج کراتے وقت خان بابا سے جھگڑے کا حوالہ مت دینا۔''

''پوری بات بتاؤ.....!'' فریدی دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''شاہدہ ایک سوشل گیدرنگ اٹینڈ کرنے جارہی تھی۔ راستے میں کسی نے ڈرائیور کو گولی ماردی اور شاہدہ غائب ہے۔''

''کیا گاڑی الٹ گئی تھی۔''

''نہیں..... میرا خیال ہے گاڑی رکوائی گئی تھی۔ ڈرائیور نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی ہوگی۔''

''یہ واقعہ کہاں پیش آیا.....؟''

جگہ کے بارے میں سن کر فریدی نے طویل سانس لی تھی۔

''سڑک کا وہ حصہ تو دور دور تک سنسان پڑا رہتا ہے۔'' اُس نے کہا۔

''میں نے تو رپورٹ درج کرائی ہے لیکن کسی کے خلاف شبہ نہیں ظاہر کرسکا۔ ورنہ خاندانی وقار خطرے میں پڑ جاتا.....ہونہہ۔''

''فکر نہ کرو.....میں نے خان کے محلات کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کرلیا ہے۔''

ناصر نے اُس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے کسی انہونی کی اطلاع ملی ہو۔

''ہاں.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔''حمید اور قاسم مل گئے ہیں اور قتلو خان کے خلاف اب میرے پاس اتنا مواد ہے کہ اُسے روپوش ہوجانا پڑا ہے۔''

''اور آپ نے تلاشی کا وارنٹ حاصل کرلیا ہے۔''

''ہاں..... ہاں.....تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔ اس وقت میں فورس لے کر محلات کی تلاشی ہی کے لئے جارہا ہوں۔''

''یہ کیسے ہوگیا۔''

''قانون سے بالاتر نہیں ہیں خان اعظم.....اس سے پہلے کسی نے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش ہی نہیں کی۔''

''میرا خیال ہے کہ وہاں مزاحمت ہوگی۔''

''حمید اور قاسم کے سلسلے میں بھی بارہ آدمی پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے ہیں۔ جہاں انہیں رکھا گیا تھا وہاں سے فرار ہوکر راکیل کے علاقے میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور قتلو کے سپاہیوں نے نکاسی کے راستوں پر ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ لہٰذا اُسی ناکہ بندی کو توڑنے کے لئے پولیس کو طاقت استعمال کرنی پڑی۔''

''خدا کی پناہ.....اتنا کچھ ہوچکا ہے۔'' ناصر نے کہا پھر چونک کر بولا۔''کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔''

''اصولاً مناسب نہ ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔''لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ خان اعظم کی آڑ میں کسی دوسرے نے یہ حرکت کی ہو۔''

''ہماری کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے۔''

''رہزنی بھی بعید از امکان نہیں ہے۔''

''لیکن شاہدہ.....!''

''ہوسکتا ہے وہ خوفزدہ ہوکر کسی طرف نکل گئی ہو۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''بے فکر رہو..... میں خیال رکھوں گا۔ خانم کو بھی میری طرف سے اطمینان دلا دینا۔''

''کیا اطمینان دلادوں گا۔ آپ تو یہی فیصلہ نہیں کرسکے کہ معاملے کی نوعیت کیا ہے۔''

''فیصلے کسی ٹھوس بنیاد پر ہی کئے جاتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ خان نے اعلان جنگ کی علامت تم لوگوں تک کس لئے پہنچائی تھی۔''

''نہیں..... ممی نے مجھے وجہ نہیں بتائی۔''

''بس تو پھر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ تم پولیس کو شاہدہ کی گمشدگی کی اطلاع دے چکے ہو۔ اب میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔''

''یقین کیجئے! میری ذہنی حالت اس قابل نہیں ہے کہ ڈھنگ سے کسی موضوع پر گفتگو کرسکوں۔''

''مجھے احساس ہے۔''

ناصر کے چلے جانے کے بعد ہیڈ کوارٹر پہنچ کر ایک بار پھر صمد خان کو طلب کیا تھا۔

''میں نے محلات کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کرلیا ہے۔ کیونکہ قتلو خان روپوش ہوگیا ہے۔'' اُس نے اُسے اطلاع دی۔

''اگر وہ روپوش ہوئے ہیں تو انہوں نے محلات کا رخ بھی نہ کیا ہوگا۔'' صمد خان کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس لئے خون خرابے سے کیا فائدہ۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''محلات کے آس پاس بسے ہوئے لوگ پولیس سے باقاعدہ جنگ کریں گے۔ اگر انہیں علم ہوگیا کہ پولیس کس لئے آئی ہے۔''

''ضابطے کی کارروائی تو ہوکر رہے گی۔ خواہ ہم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ راستوں کی ناکہ بندی توڑنے کے لئے بھی بارہ عدد لاشیں گرانی پڑی تھیں۔''

''دونوں معاملات میں فرق ہے جناب۔''

''کیا فرق ہے؟''

''ناکہ بندی کرنے والے قتلو خون کے سپاہی تھی اور اُس کے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے لیکن محل کے پاس بسے ہوئے لوگ محض اپنی عقیدت کی بنا پر جو وہ خان اعظم سے رکھتے ہیں آپ کے مقابل آئیں گے۔''

''ہاں.....فرق تو ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

لہٰذا اُن کی سادہ لوحی قابل معافی ہونی چاہئے۔

''اگر تم قتلو خان کی نشاندہی کر سکو تو پھر اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ جب وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتے تو پرانے محل کے کھنڈر کی طرف نکل جاتے ہیں اور کئی کئی دن تک اُن کی واپسی نہیں ہوتی۔''

''یہ کھنڈر کہاں ہے؟''

''رہائشی محلات سے دس میل کے فاصلے پر اُس عارضی ہوائی اڈے کے قریب جو انگریزوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران میں قائم کیا تھا۔''

''اچھا.....اچھا.....میں سمجھ گیا۔ اُن کا رن وے ابھی قابل استعمال ہے۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔''خان اعظم سے ابھی تک ملاقات نہیں ہو سکی۔''

''اُن کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔''

''تم بھی اتنی ہی گہری عقیدت رکھتے ہو اُن سے۔''

''مجھے غلط نہ سمجھئے۔ علم ہی نہیں ہے۔ بتاؤں گا کیا! لیکن قتلو خان ضرور جانتا ہوگا۔ اس پر تو میں شرط بھی لگا سکتا ہوں۔''

''کیا قتلو تیسری شادی کرنا چاہتا تھا۔''

اس سوال پر صمد خان کا منہ حیرت سے کھل گیا اور اُس نے سنبھالا لے کر پوچھا۔''اس سوال کی نوعیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اچھا تو اس کی بجائے دوسرا سوال ہے۔ نذر گل کو اُس نے کس مہم پر بھیجا تھا۔''

''مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے؟''

''لیکن تم نے اُس کی موت کے بارے میں مجھ سے غلط بیانی ضرور کی تھی۔''

''ہاں.....مجھ سے یہ قصور ضرور سرزد ہوا تھا۔ لیکن دوسروں کی طرح میں بھی مجبور تھا۔

مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا وہی میں نے آپ کے سامنے دہرایا تھا۔ لیکن اب جبکہ آپ کے دونوں آدمی بازیاب ہوگئے ہیں یہی کہنا پڑے گا کہ وہ کسی کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔''

''لیکن وہ زخم موت کا سبب نہیں بنا تھا..... اُسے زہر دیا گیا تھا۔ لاش کو قبر سے نکلوا کر اُس کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔''

''کب.....؟'' وہ متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

''پرسوں رات کی بات ہے..... اور یہ کام اتنی راز داری سے ہوا تھا کہ تمہارے علاقے کے کسی فرد کو بھی اس کا علم نہیں ہوسکا۔ تم نے مذہبی نوعیت کے ہنگامے کی دھمکی دی تھی نا۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد صمد خان نے کہا۔

''بہرحال..... قتلو خان کی وجہ سے خان اعظم کا وقار بھی خاک میں مل گیا۔ مجھے ہمیشہ اس کا افسوس رہے گا۔''

''ظالموں کا انجام یہی ہوتا آیا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔'' فریدی نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ پرانے محل کے کھنڈر بھی دیکھے لیتے ہیں۔ اگر وہاں نہ ملا تو رہائشی محلات کی تلاشی ضروری ہوجائے گی۔ اوہ..... لیکن ٹھہرو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر صمد خان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہاری گرفتاری کے بعد ہی قتلو خان روپوش ہوا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ نامساعد حالت میں کدھر کا رخ کرتا ہے۔ تو پھر کیا وہ اس بار بھی وہیں گیا ہوگا۔''

''قتلو خان کو علم نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں..... میں بھی ایک بار اتفاقاً ہی واقف ہوگیا تھا۔ لیکن میں نے اُس سے اس کا ذکر کبھی نہیں کیا اور صرف میں ہی جانتا ہوں۔ دوسروں کو علم نہیں۔ دوسرے یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کسی شکارگاہ میں ہوگا۔ پھر میں نے کئی بار چھپ کر دیکھا ہے۔''

''ہوں..... زیادہ تر یہی کہا گیا ہے کہ وہ کسی شکارگاہ میں ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔ پھر صمد خان کو دوبارہ حوالات کیطرف روانہ کرکے وہ ایس پی ہومی سائیڈ کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔

''عظمت محل والوں کا کیا قصہ ہے۔'' اُس نے ایس پی سے سوال کیا۔

''خان زادی شاہدہ اپنی گاڑی میں چندرینا کے لئے روانہ ہوئی تھیں۔ وہاں انہیں ایک

انڈسٹریل ہوم کا افتتاح کرنا تھا۔ لیکن وہاں نہیں پہنچیں۔ ڈرائیور کی لاش ملی ہے اور گاڑی چندرینا سے ڈھائی میل ادھر سڑک کے کنارے ملی تھی۔ لاش گاڑی کے قریب ہی پڑی پائی گئی ہے۔''

''ذرا نقشے پر بتایئے گا۔'' فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے نقشے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ایس پی نے اٹھ کر جگہ کی نشاندہی کی تھی۔

فریدی نے اسکیل سے نقشے پر کسی قسم کی پیائش شروع کردی اور پھر کچھ دیر بعد بولا۔

''میرا خیال ہے کہ زمانہ جنگ کا عارضی ایئرپورٹ بھی یہیں کہیں ہے۔''

''جی ہاں.....اسی نواح میں ہے۔''

''شائد ایئرفورس والے اُسے اب بھی استعمال کررہے ہیں۔''

''صرف بار بردار طیاروں کے لئے۔'' ایس پی نے کہا۔ ''ہم نے خانزادی کو اُس نواح میں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیا خیال ہے اس واقعے کا آپ کے معاملات سے تو کوئی تعلق نہیں۔''

''بظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں جواب دیا۔

فی الحال اُس نے خان کے محلات کی تلاشی لینے کا ارادہ ملتوی کردیا تھا۔ صمد خان سے ملی ہوئی اطلاع قابل غور معلوم ہوئی تھی۔

ہیڈکوارٹر سے اُس ہسپتال میں پہنچا جہاں حمید قاسم اور زلیخا کو رکھا گیا تھا۔ زلیخا باضابطہ طور پر اپنا بیان دے چکی تھی۔

فریدی حمید کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ آرام کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ''آرام کرنے کے لئے اسپتال ہی کیوں؟''

''اُوہ.....تو کیا یہاں تمہاری دلچسپی کا کوئی سامان نہیں۔''

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔''

''اور وہ دونوں۔''

''انہیں کیا ہوا تھا۔ بس تھکن تھی۔ اُتر گئی ہوگی۔ ہاں اُن لوگوں کا سراغ ملا یا نہیں۔''

''نہیں.....لیکن شائد جلد ہی قتلو خان ہاتھ آجائے اور پھر خان اعظم کا پتا بھی وہی

بتائے گا۔''

''آخر.....اُس بیچارے نذر گل کو زہر کیوں دیا گیا۔''

''ممکن ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں زخمی ہوا ہو اور وہ سمجھے ہوں کہ اُنہی لوگوں سے پٹ کر آیا ہو جن کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ورنہ اُس کی طویل علالت کی کہانی کیوں سناتے۔''

''پتا نہیں..... وہ کون تھا جس نے کریم آباد کے ایس پی کو خط لکھ کر ہمارے بارے میں مطلع کیا تھا۔ ورنہ آپ اتنی جلدی کامیاب نہ ہو سکتے۔''

''وہ بھی مل گیا ہے۔ قتلو کے آدمیوں نے اُسے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ اُس کے اس بیان کی تائید نہ کر سکتا کہ نذر گل چھ ماہ سے بیمار تھا۔''

''وہ تائید کیوں نہ کرتا۔''

''اس لئے کہ نذر گل اس کا بھائی تھا۔ قتلو کے آدمی اُس کی تلاش میں تھے۔ اگر اُن کے ہاتھ لگتا تو اُسے بھی ٹھکانے لگا دیتے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ ''قتلو کو آپ کہاں تلاش کریں گے جبکہ ابھی تک خان اعظم ہی تک رسائی نہیں ہو سکی۔''

''خان اعظم.....!'' فریدی طویل سانس لے کر رہ گیا۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ حمید نے اونچی آواز میں اندر آنے کی اجازت دی۔

دروازہ کھول کر اندر آنے والا قاسم تھا۔ لیکن فریدی کو دیکھ کر وہ بُری طرح بوکھلا گیا۔

''آؤ.....آؤ.....!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''کیا حال ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے۔'' وہ مسمسی صورت بنا کر بولا اور اس طرح بیٹھ گیا جیسے فوراً ہی کراہنا شروع کر دے گا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ کچھ کہنے آیا تھا لیکن فریدی کو دیکھ کر خاموش رہ گیا اور اس غیر متوقع ملاقات نے اُسے گھٹن میں مبتلا کر دیا ہے اور اُس گھٹن ہی کے نتیجے میں اُس کے چہرے پر دردِ زہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہے۔

''قاسم.....!'' دفعتاً اُس نے بڑے پیار سے کہا۔ ''دل کو ہلکا کر ڈالو..... ہو سکتا ہے

کرنل صاحب تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔''

''قیا مطلب.....؟''

''کہہ ڈالو.....جو کچھ کہنا ہے۔''

''وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''کون یہاں نہیں رہنا چاہتی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''زلے.....خا.....!'' قاسم نے بدقت کہا۔

''تو تم.....اس سلسلے میں کیا کر سکو گے۔''

''آپ بتایئے میں قیا قروں.....!''

''کیا وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''ہو جائے غی۔''

''کس طرح۔''

''آپ بتایئے.....قس طرح۔''

حمید کو ہنسی آ گئی اور قاسم اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔''تم جرور گھپلا قرو غے۔''

''کھل کر بات کرو۔تم کیا چاہتے ہو۔؟'' فریدی نے اُس سے پوچھا۔

''اسے ٹائپ قرنا آتا ہے۔اپنی سیکریٹری بناؤں غا۔''

''کیا وہ اس پر تیار ہے۔''

''جی غاں۔''

''اور اُس کا کیا ہوگا؟'' حمید نے پوچھا۔

''کس کا قیا ہوغا.....؟''

''وہ جو تم اُس سے جھوٹ بولتے رہے ہو۔''

''ارے وہ.....اُسکی قوئی بات نہیں۔جب وہ قاسم بھائی کہنے لگی تو میں نے خود ہی بتا دیا۔''

فریدی نے حیرت سے حمید کی طرف دیکھا جو پیٹ دبائے بے آواز ہنس رہا تھا۔

''اللہ نے چاہا تو پیٹ میں درد ہوگا تمہارے۔'' قاسم بھنا کر اٹھتا ہوا بولا۔''تم خود بیوہ

ہوتے تو پتہ چلتا۔"

"ارے.....ارے بیٹھو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔لیکن قاسم کسی غضبناک سانڈ کے سے انداز میں فوں فوں کرتا نکلا چلا گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

"وہی جو عموماً اپنے قبیل کی کسی عورت کو دیکھ کر ہوتی ہے۔اُسے باور کراتا رہا تھا کہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔لیکن پھر اُس نے اُسے قاسم بھائی کہنا شروع کر دیا۔"

"عاصم صاحب نے اس کی مٹی پلید کر دی۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہر حال۔وہ اُسے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔"

"دونوں آزاد ہیں اپنے معاملات میں۔"

"لیکن اب وہ اُس کی مٹی پلید کرائے گا۔اُس کی بیوی طوفان اٹھا دے گی۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔"میں اُس جگہ ریڈ کرنا چاہتا ہوں جہاں قتلو کے ملنے کا امکان ہے۔"

"میں بالکل فٹ ہوں.....!" حمید نے کہا اور ناصر کے گھرانے کی بات چھیڑ دی۔

"میں اُن لوگوں سے مل چکا ہوں۔کھل کر بات نہیں کرتے۔" فریدی نے کہا۔

"آپس کا کوئی بڑا جھگڑا۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"لیکن وہ لڑکی شاہدہ حیرت انگیز ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"اُس کے گھر والوں کا خیال ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔" حمید نے تھوڑ دیر بعد کہا۔فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔کچھ بولا نہیں۔

"آپ کہاں ریڈ کریں گے؟"

"ایک کھنڈر ہے۔خان کے اجداد جن محلات میں رہتے تھے اُن کے کھنڈر۔"

"وہاں کیا ہے۔"

"دیکھیں گے۔اطلاع ملی ہے کہ قتلو بسا اوقات اُن کھنڈروں میں غائب ہو جاتا ہے۔

''تب تو اُس نے اُدھر کا رخ بھی نہ کیا ہوگا۔''

''عام طور پر لوگوں کو اُس پناہ گاہ کا علم نہیں ہے۔ صرف ایک آدمی جانتا ہے اور اُسے یقین ہے کہ قتلو کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ جانتا ہے۔''

''تب تو ہوسکتا ہے کہ بات بن ہی جائے۔ بہرحال میں یہاں پڑا رہنا پسند نہیں کروں گا۔''

''اگر تم خود کو اتنا توانا محسوس کر رہے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''آپ مطمئن رہئے۔ سر کی چوٹ بھی اتنی تشویش ناک نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر اُس نے اٹھ کر لباس تبدیل کیا تھا اور فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔

فریدی کی پارٹی سب سے پہلے اُس جگہ پہنچی جہاں شاہدہ کی گاڑی اور ڈرائیور کی لاش پائی گئی تھی۔

''لیکن یہاں تو وہ کھنڈر کہیں نظر نہیں آتے۔'' حمید فوراً ہی بولا تھا۔

''کھنڈر دوسری طرف ہیں۔'' فریدی بائیں جانب والی چٹانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''پھر آپ یہاں کیا دیکھ رہے ہیں۔''

''آج ہی اسی جگہ ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے۔'' فریدی نے کہا اور اُسے شاہدہ کے گاڑی سے غائب ہوجانے والا واقعہ سنانے لگا۔

''آپ نے ہسپتال میں اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔''

''وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' فریدی نے کہا اور سڑک پر لگائے ہوئے چاک کے نشانات کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈرائیور کی موت کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

''کیا اس واقعے کا تعلق بھی قتلو خان ہی سے ہوسکتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے۔ اگر نذر گل تمہارے ہی ہاتھوں سے زخمی ہوا تھا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ نذر گل اُن لوگوں کو خوفزدہ کرنے ہی کی مہم پر بھیجا گیا تھا۔''

''قرین قیاس ہے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ٹیکسی قریب ہی آرکی اور قاسم اُس پر سے اُترتا ہوا

بولا۔ ''میں بھی تعاقب قر سکتا ہوں۔ ہی ہی ہی ہی۔''

فریدی حمید کو قہر آلود نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''ان قو قیا ہو گیا۔'' قاسم آہستہ سے بولا۔

''تم کیوں چلے آئے۔'' حمید نے بھنا کر کہا۔

''واہ بیٹا..... میں دھکے کھاؤں اور تم مجے کرو۔''

''میں مزہ کر رہا ہوں.....!'' حمید نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''تم دونوں ہی میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔''

''تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں غا..... ورنہ وہاں جی قیسے بہلے گا۔''

''قاسم! کیوں شامت آئی ہے۔ واپس جاؤ۔ ہمارے ساتھ رہے تو آج ضرور تمہارا پنکچر ہو جائے گا۔''

''یہاں آئے قیوں ہو۔''

''پولیس کو قتلو خان کی تلاش ہے۔ وہ روپوش ہو گیا ہے۔''

''میں بھی اُسکی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ سالے نے بہت پریشان کیا ہے۔ زلیخا کہہ رہی تھی۔''

''بس.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہاں زلیخا نہیں، چلے گی۔''

''ضرور چلے گی..... سالے تم نے ہی اُس سے قہا ہو غا کہ قاسم بھائی قہو.....!''

''تم نے شائد کبھی غور نہیں کیا تمہاری شکل ہی بھائیوں جیسی ہے۔''

''ٹھینگا جیسی ہے۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''بہت جیادہ جی نہ جلاؤ..... ورنہ اللہ کی مار پڑے گی تم پر۔''

''شائد اُسی کے ساتھ تم بھی بیوہ ہو گئے ہو۔''

''اُس کے ساتھ تو میں گتی بھی ہو سکتا ہوں۔''

''یہ گتی ہونا کیا چیز ہوئی۔''

''اُس کے ساتھ جل کر مر بھی سکتا ہوں۔''

''اچھا اچھا..... ستی کی حجامت بنائی ہے۔ ابے مردے کے ساتھ جل مرنے کو ستی ہوتا

کہتے ہیں۔"

"گتی ہونا قہتے ہیں......تم سالے جھوٹ بولتے ہو۔"

اتنے میں فریدی نے جیپ میں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تھا۔ شائد اب یہاں سے آگے روانگی کی ٹھہری تھی۔

"میں تعاقب قروں غا...... پورے دن کے لئے ٹیکسی کی ہے۔" قاسم نے کہا۔

"مارے جاؤ تو شکوہ نہ کرنا۔"

"ابے قیا میں ڈرتا ہوں۔ تم لوگ جرور اُسی کی تلاش میں نکلے ہو جس نے زلیخا کو دکھ پہنچایا تھا۔"

"اچھا تو پھر......!"

"میں اُس کی ہڈیاں توڑ دوں غا۔ زلیخا سے وعدہ قر چکا ہوں۔"

"میں تمہیں اُس کی ہڈیاں بھجوا دوں گا۔ تم کہاں دھکے کھاتے پھرو گے۔"

"تم......تم ہڈیاں بھجوا دو غے......جرا شکل دیکھو اپنی۔"

"کیا بہت اچھی لگ رہی ہے۔" حمید نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

قاسم نے محض دھمکی نہیں دی تھی۔ اُس کی ٹیکسی پولیس کی گاڑیوں کے پیچھے چلتی رہی۔ فریدی اس بار حمید کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا۔ ایس پی والی جیپ میں تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد سڑک چھوڑ کر اگلی گاڑیاں بائیں جانب اُترتی چلی گئی تھیں اور قاسم کی ٹیکسی کا ڈرائیور بولا تھا۔ "صاحب! ہم تو اُدھر نہیں جائے گا۔"

"کیوں؟......اُدھر قیا ہے۔"

"ہماری گاڑی جیپ نہیں ہے۔"

"اس سے قیا ہوتا ہے۔"

"ارے جناب...... کار اُدھر نہیں چل سکتا۔ ایکسل ٹوٹے گا...... ادھر آپ بیٹھا ہے اڈھر نیچے کنکر پتھر......کھڈہ......مڈہ......!"

"پھر آئے قیوں تھے۔"

"سڑک سڑک جانے کو آیا تھا۔ آسمان پر چڑھنے کو نہیں آیا۔ یا تو آپ ادھر ہی اُتر

جائے نہیں تو سڑک سڑک چلے۔"

"میں تعاقب کر رہا ہوں۔"

"کس کا.....؟"

"پولیس والوں کا.....!"

"اُن سے کیا قصور ہوا ہے صاحب۔"

"سب تو نہیں بتائی جاتی ایسی باتیں۔"

"اچھا تو بس اب آپ اُتر جایئے۔"

"پورے دن کی بات طے ہوئی ہے۔"

"پوری رات بھی مفت.....لیکن آپ سڑک سڑک چلے۔"

"ارے تو میں یہاں ویرانے میں اُتر قر قیا قروں غا۔"

"پیدل تعاقب.....؟"

"میرا باپ بھی نہیں قر سکتا۔ وہ سالے جیپوں پر اور میں پیدل۔"

"کام کرنے کے لئے دل چاہئے صاحب! اور یہ پولیس کا لوگ تو پیدل ہوائی جہاز کا تعاقب کرتا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو.....دیکھا جائے غا۔ تمہیں کتنا دوں۔"

"جتنا طے ہوا تھا اُس کا آدھا۔"

"یہ لو۔" قاسم نے چند نوٹ پرس سے کھینچے اور اُس کے ہاتھ پر رکھتا ہوا بولا۔ "دینا تو نہیں چاہئے تھا کیونکہ تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہے۔"

وہ ٹیکسی سے اُترا تھا اور پیدل ہی چل پڑا۔ جدھر پولیس کی گاڑیاں گئی تھیں۔

مڈبھیڑ

انہوں نے پہلے گاڑیوں ہی پر بیٹھے بیٹھے کھنڈر کے گرد چکر لگائے تھے اور پھر ایک جگہ گاڑیاں روک کر سب کے سب نیچے اُتر آئے تھے۔ کھنڈروں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ عمارت پوری طرح ملبے کے ڈھیر میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ جگہ جگہ ایسے کمرے بھی دکھائی دے رہے تھے جن کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ البتہ ساری دیواریں کائی سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

''کیا وہ انہی کمروں میں سے کسی میں ہوگا۔'' ایس پی ہومی سائیڈ نے فریدی سے سوال کیا۔

''دیکھے لیتے ہیں۔ اب تو مجھے یقین سا ہوچلا ہے کہ یہ کھنڈر بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتے ہیں۔''

ایس پی نے مسلح سپاہیوں کو ہدایت دی کہ تلاشی کے وقت وہ اُس حصے کو گھیرے میں لئے رہیں جن کی تلاشی لی جائے۔ وہ دونوں ایک طرف چل پڑے تھے اور حمید نے بھی اُن تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

''ان کو تو آرام ہی کرنے دیا ہوتا۔'' ایس پی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

''میں اب ٹھیک ہوں۔ سر کا زخم بھی معمولی ہے۔ میرے کاموں میں حارج نہیں ہوسکتا۔''

''کیا اُسے واپس کردیا۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''خدا جانے کیا ہوا۔ ویسے تو اُس نے تعاقب جاری رکھنے کی دھمکی دی تھی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ بُرا سا منہ بنائے آگے بڑھتا رہا۔

''کئی دن لگ جائیں گے.....!'' حمید نے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''آخر طریق کار کیا ہوگا..... یہ کھنڈر تو بہت وسیع ہیں۔ ایک کمپنی بھی ناکافی ہوگی۔''

''کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی.....!'' فریدی نے کہا۔

تلاش جاری رہی حتیٰ کہ سورج مغرب میں جھکنے لگا اور ہوا میں خنکی بڑھ گئی۔

''میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔'' ایس پی نے تھکے ہارے انداز میں کہا۔

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک کسی کی چیخ سنائی دی۔ وہ تیزی سے آواز کی سمت مڑے تھے۔ پارٹی کے ایک سپاہی پر کسی جانور نے چھلانگ لگائی تھی اور اُسے دبوچ بیٹھا تھا۔ دوسروں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ جانور کی گرفت میں آیا ہوا سپاہی گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً فریدی اُس کی طرف جھپٹا تھا۔ درندے کی کھال مٹھی میں جکڑ کر اُسے دور اچھال پھینکا۔ زمین پر گر کر اُس جانور نے پلٹ کر دوبارہ اپنے شکار کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن آدھا فاصلہ بھی نہیں طے کر پایا تھا کہ فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور اُسے چاٹ گیا۔ اُس کے زمین تک پہنچتے پہنچتے اُس نے دوبارہ فائر کیا تھا اور وہ گولی بھی نشانے ہی پر بیٹھی تھی۔

دوسری طرف سپاہی بے حس و حرکت پڑا تھا۔ جانور نے اُس کا نرخرہ اُدھیڑ دیا تھا۔ اُس کی گردن سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ چار سپاہی اُسے اٹھا کر جیپ کی طرف دوڑے.....ابھی اس میں جان باقی تھی۔

فریدی اپنے شکار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر جسیم بلی تھی۔ عام بلیوں کی جسامت سے تین گناہ ضرور رہی ہوگی۔

''آخر یہ ہے کیا بلا۔'' ایس پی ہانپتا ہوا بولا۔

''شکل تو بلی ہی کی سی ہے۔ خدا کرے وہ بیچارہ بچ جائے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ کس طرف سے آئی تھی۔'' فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُس کمرے کی چھت پر سے جناب۔'' ایک سپاہی نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا تھا اور پھر خوفزدہ نظروں سے مردہ بلی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میرے خیال سے اب واپس چلنا چاہئے۔'' ایس پی نے کہا۔ ''تھوڑی دیر میں اندھیرا پھیل جائے گا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسی کمرے کی طرف دیکھے جا رہا تھا جس کی جانب سپاہی نے اشارہ کیا تھا۔

''آپ نے ایس پی کی بات سنی یا نہیں۔'' حمید اُس کے قریب ہو کر آہستہ سے بولا۔

''تم بھی واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔''

''آخر آپ کو یقین کیوں ہے کہ وہ یہیں ہوگا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ ڈی ایس پی نے واپسی کا مشورہ تو دیا تھا لیکن فریدی سے کوئی جواب پائے بغیر وہاں سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ حمید مردہ بلی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ شائد زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی بلی اُسکی نظروں سے گزری تھی۔ یک بیک وہ چونکا تھا اور تیزی سے مردہ بلی کی طرف بڑھا تھا۔ اُسکے قریب پہنچ کر وہ جھکا اور کچھ دیکھتا رہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہوکر ایس پی کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا کہ ایس پی کو اُس کے پاس پہنچنا پڑا تھا۔

''یہ دیکھا آپ نے۔'' حمید نے بلی کی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

حمید نے جھک کر بلی کی گردن ٹٹولی تھی اور وہ آہنی حلقہ پوری طرح ظاہر ہوگیا تھا جسے بالوں نے چھپا رکھا تھا۔

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ جنگلی بلی نہیں ہے۔ یہ حلقہ کسی آدمی ہی نے اُس کی گردن میں ڈالا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''واقعی..... یہ تو سوچنے کی بات ہے۔''

''لہٰذا یہاں کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہے۔''

''ایسا حکم نہ لگاؤ۔'' عقب سے فریدی کی آواز آئی اور وہ دونوں اُس کی جانب مڑے۔

''گردن کا حلقہ یہاں کسی آدمی کی موجودگی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہوسکتا ہے دو سال پہلے اس کی گردن میں ڈالا گیا ہو اور یہ کسی دوسری جگہ سے فرار ہوکر یہاں چلی آئی ہو اور دن رات کے فاقوں نے اسے آدم خور تک بنا دیا ہو۔''

وہ خاموش ہوکر سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

''یہ بات بھی ہوسکتی ہے۔'' ایس پی سر ہلا کر بولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ یہاں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''فی الحال اس کمرے کو دیکھنا چاہئے جہاں سے یہ بلی برآمد ہوئی تھی۔''

ایس پی کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اب شائد وہ یہاں ذرا دیر کے لئے بھی نہیں رکنا چاہتا تھا اور پھر فریدی ہی نے اُس کی مشکل آسان کردی۔ اُس نے کہا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ واپسی لیکن ہم دونوں عارضی ایئرپورٹ پر اُتر جائیں گے۔''

حمید کا خون خشک ہوگیا۔ گویا آج ہی کچھ کرگزرنے کی ٹھان لی گئی ہے۔ پھر واپسی میں وہ زیادہ تر اُسی سپاہی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے جسے میڈیکل ایڈ کے لئے فوری طور پر شہر کی طرف لے جایا گیا تھا۔

فریدی اور حمید ایئرپورٹ کے قریب رک گئے اور حمید نے ہولے ہولے کراہنا شروع کردیا۔

''قطعی توجہ نہیں دوں گا۔ تم اپنی مرضی سے آئے تھے۔'' فریدی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''سوال یہ ہے کہ رات میں کوئی خطرہ کیوں مول لیا جائے۔''

''ابھی دو گھنٹے باقی ہیں اندھیرا پھیلنے میں۔''

''تو پھر یہاں کیوں چلے آئے ہیں۔ دوبارہ وہاں تک پہنچنے میں کم از کم آدھا گھنٹہ ضرور صرف ہوجائے گا اور پھر آپ نے کوئی جیپ بھی نہیں روکے رکھی۔ پیدل ہی جانا پڑے گا۔''

''ذرا صبر سے کام لو.....!'' فریدی رسٹ واچ پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ''جتنی دیر میں اُن لوگوں کو رخصت کیا ہے اتنی ہی دیر روکے رکھنا چاہتا تھا۔ کام تو اب شروع ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہی کہ پولیس پارٹی آئی اور جھک مار کر واپس چلی گئی۔''

''آخر آپ کو کس بناء پر یقین ہے کہ قتلو خان ان کھنڈروں ہی میں کہیں پناہ گزین ہے۔''

''شبہ ہے.....اور میں اس شبے کو اپنے طور پر رفع کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرے ذہن میں تو وہ خوفناک بلی چمٹی ہوئی ہے۔ پتا نہیں بیچارہ زندہ ہے یا مرگیا۔''

''شائد ہی بچ سکا ہو۔ زخرہ ادھیڑ دیا تھا۔''

''مفت میں ایک جان ضائع ہوئی۔''

''میں نہیں جانتا تھا کہ اس قسم کا کوئی حادثہ پیش آئے گا۔''

''بلی.....!'' دفعتاً حمید چونک پڑا۔

''کیا بات ہے؟''

''وہ بلی ہی کی آواز سے تو خوفزدہ ہوکر بیہوش ہوجاتی ہے۔''

''محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی پُراسرار کہانی ترتیب دینے کی کوشش نہ کرو۔''

پھر انہوں نے کسی ہیلی کوپٹر کی آواز سنی تھی جو لحہ بہ لحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔

''آؤ.....!'' فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایئر پورٹ کے پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

فریدی نے سنتری کو اپنا شناخت نامہ دکھایا اور وہ سلیوٹ کر کے ایک طرف ہٹ گیا۔

پھر اُن کے رن وے تک پہنچتے پہنچتے وہ ہیلی کاپٹر لینڈ کر گیا تھا جس کی آواز انہوں نے سنی تھی۔ پائیلٹ نے نیچے اُتر کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔

''کیا سب سامان موجود ہے۔''

''یس کرنل.....!'' اُس نے جواب دیا۔

''پندرہ منٹ بعد ہم روانہ ہوں گے۔''

''اُو کے کرنل.....!''

''کیا یہاں کوئی کینٹین نہیں ہے۔'' حمید نے چپکے سے پوچھا۔

''ہے کیوں نہیں! پندرہ منٹ چائے کیلئے کافی ہوں گے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

پندرہ منٹ کینٹین میں گزارنے کے بعد وہ پھر ہیلی کوپٹر کی طرف پلٹے اور حمید نے کہا۔

''اب آپ یہ شور مچانے والا باجا لے کر اُدھر جائیں گے۔

''یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ زیر تربیت پائلٹ انہی اطراف میں مشرق کرتے ہیں اور سرچ پارٹیاں اندھیری راتوں میں مشق کیلئے خصوصیت سے انہی کھنڈروں کا رخ کرتی ہیں۔ ہیلی کوپٹروں سے سرچ لائٹ کی روشنی کھنڈروں کے تاریک ترین حصوں میں ڈالی جاتی ہے۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

اُن کے بیٹھتے ہی ہیلی فضا میں بلند ہونے لگا تھا۔ اُس نے ایئر پورٹ کا ایک چکر لگایا اور پھر اُس کا رخ کھنڈروں کی طرف ہو گیا۔

''اُس عمارت پر نظر رکھنا جس سے بلی نیچے آئی تھی۔'' فریدی نے حمید کے کان سے منہ لگا کر زور سے کہا اور حمید نے اُس عمارت پر سے گزرتے ہوئے چھت کا جائزہ لیا جو ایک گوشے میں کھلی ہوئی تھی۔ پتا نہیں چھت کا وہ حصہ گر گیا تھا یا وہاں اوپر پہنچنے کیلئے زینے تھے۔

''تم نے دیکھا۔'' فریدی نے اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ حمید نے سر کو مثبت جنبش دی تھی۔ کچھ دور جانے کے بعد فریدی کی ہدایت پر پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو

پھر اُسی جانب پلٹایا۔ اس بار زاویہ دوسرا تھا اور وہ چھت کے کھلے ہوئے حصے کا جائزہ بخوبی لے سکتے تھے۔

''زینے.....!'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ حمید نے سر ہلا کر تائید کی اور پھر تیسرے چکر میں ہیلی کوپٹر اُسی عمارت کی چھت پر معلق ہوگیا تھا۔ اس دوران میں فریدی نے ایک تھیلا اٹھا کر کاندھے سے لٹکالیا تھا۔ ایک اسٹین گن حمید کے ہاتھ میں تھما دی اور دوسری خود سنبھالی۔ بہرحال وہ چھت پر اترنے کیلئے تیار ہو چکے تھے۔ پائیلٹ نے رسیوں کی سیڑھی نیچے لٹکا دی اور وہ چھت پر اُتر گئے۔ اترنے سے قبل فریدی نے پائیلٹ کو چند ہدایات دی تھیں۔

وہ بہت احتیاط سے چھت کے کھلے ہوئے حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ کوئی بہت بڑا ہال معلوم ہوتا تھا۔ جو وقت کی شکست و ریخت سے محفوظ رہ گیا تھا۔ ابھی اتنا اندھیرا نہیں پھیلا تھا کہ انہیں اوپر ہی سے زینوں کی پوزیشن نہ معلوم ہوسکتی۔

''مجھے آگے چلنے دو۔'' فریدی نے کہا اور تھیلے سے ٹارچ نکال کر زینے طے کرنے لگا۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔ سات آٹھ زینے طے کرنے کے بعد ٹارچ روشن کرنی پڑی تھی اور وہ فرش تک پہنچے تھے۔ عجیب طرح کی ناگوار بو وہاں پھیلی ہوئی تھی۔ سیلن اور چمگادڑوں کے بیٹ کی ملی جلی بدبو تھی۔

ہیلی کاپٹر کا شور اب بہت دور سے سنائی دے رہا تھا۔ یہ ایک خاصا طویل و عریض ہال ثابت ہوا۔ لیکن بالکل خالی تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں فرش پر کچھ نشانات دیکھے۔ جو زینوں سے شروع ہوکر ایک جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔ گرد آلود فرش پر بلی کے پنجوں کے یہ نشانات بہت واضح تھے۔ حمید کا دل کھوپڑی میں دھڑکنے لگا۔ کیونکہ یہ نشانات بڑی ترتیب سے ایک جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔ فریدی ادھر اُدھر بھی روشنی ڈالتا جارہا تھا۔ لیکن ایک مخصوص سمت کے علاوہ اور کہیں بھی وہ نشانات نہ دکھائی دیئے۔ ان نشانات کا اختتام ایک دیوار کے قریب ہوا تھا اور پھر وہیں فریدی نے کسی سرنگ کا دہانہ دریافت کیا۔ تو گویا وہ بلی اسی سرنگ کے ذریعے کہیں اور سے آئی تھی اور سیدھی زینوں کی طرف چلی گئی تھی۔ دونوں دہانے میں اتر گئے۔ یہاں گھٹن کا احساس شدید ہوگیا تھا اور کچھ ایسی گرمی محسوس ہو رہی تھی جیسے سرنگ کا اختتام جہنم ہی کے دہانے پر ہوا ہو۔ قریباً دو ڈھائی سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے

بعد ایک سالخوردہ دروازہ اُن کی راہ میں حائل ہوگیا تھا۔ اُسے کھول لینے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دوسری طرف سے بولٹ نہیں کیا گیا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی مدھم سی روشنی نظر آئی تھی اور زنجیروں کی جھنکاریں سنائی دی تھیں۔ دونوں نے اسٹین گنوں کے دستے مضبوطی سے پکڑ لئے اور پھر دروازے سے گزرتے ہی اُن کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔

قتلو خان زنجیروں سے جکڑا کھڑا نظر آیا۔ لالٹین کی دھندلی سی روشنی میں اُس کے چہرے کی خوفزدگی کچھ ایسی لگ رہی تھی جیسے اُس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہو۔

''خدا کے لئے مجھے بچا لو۔'' وہ انہیں دیکھتے ہی وحشیانہ انداز میں بولا۔ ''پتا نہیں وہ دیوانہ کیا کرنا چاہتا ہے۔''

فریدی اور حمید خاموش رہے اور قتلو خان کہتا رہا۔ ''شائد تم میرے لئے فرشتہ رحمت بن کر آئے ہو کرنل۔''

''تم ابھی کس دیوانے کی بات کر رہے تھے؟'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''خان اعظم کی..... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے اور دیکھو ہوسکتا ہے تم مجھے مورد الزام ٹھہراؤ۔ لیکن میں اُس کے احکامات کا پابند تھا۔ جب تم ڈیرہ غزن خان آئے تھے تو وہ میری ہی حویلی میں موجود تھا لیکن مجھے حکم تھا کہ کسی کو وہاں اُس کی موجودگی کی خبر نہ ہونے دوں۔ لہٰذا مجھے شکار گاہوں کا حوالہ دینا پڑا تھا اور تم تو سبھی کچھ جانتے ہوگے۔ نذر گل حسن مہم پر گیا تھا اُس سے بھی واقف ہوگئے ہوگے۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اُس کا مقصد کیا تھا۔ پھر نذر گل کو اُسی کے حکم سے زہر دیا گیا۔ کیپٹن حمید اور دوسرا آدمی اُسی کے حکم سے قیدی بنائے گئے۔ جو کچھ ان سے پوچھا جا رہا تھا وہ بھی اُسی کے حکم سے تھا۔ جب یہ فرار ہوگئے تو اُس نے راستوں کی ناکہ بندی کرائی اور جب میں نے ناکہ بندی ٹوٹنے کی خبر پہنچائی تو مجھ سمیت وہاں سے فرار ہوکر یہاں پہنچا۔ اُس کے بعد مجھے بس اتنا یاد ہے کہ تھکن دور کرنے کے لئے اُس نے مجھے کوئی مشروب پلایا تھا۔ اُس میں پتا نہیں کیا تھا کہ پیتے ہی سدھ کھو بیٹھا۔ دوبارہ ہوش آیا تو خود کو اسی حال میں دیکھا جس میں تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور میرا کیا حشر کرنا چاہتا ہے۔ خدارا مجھے اس عذاب

سے رہائی دلاؤ۔"

"شاہدہ کہاں ہے؟" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"شاہدہ۔" اُس نے چونک کر حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کون شاہدہ؟ کیا خان عظمت کی بیٹی۔"

"ہاں میں اُسی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہو..... بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس لئے کہ تم اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔"

"خدا سے ڈرو..... میری آنکھوں میں خاک۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"خان اعظم نے اُس کے لئے تمہارا پیغام بھجوایا تھا۔"

"کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ پتا نہیں وہ دیوانہ کیا کرنا چاہتا ہے! کرنل فریدی میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔"

"خان اعظم نے اُن لوگوں کو اسی لئے جوتا بھجوایا تھا کہ وہ اعلان جنگ سے خائف ہو کر شاہدہ کی شادی تم سے کر دیں۔"

"خداوندا..... تو نذر گل اس لئے وہاں بھیجا گیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ شائد وہ کسی بات پر اُن لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے۔"

"آج صبح شاہدہ اپنی گاڑی میں چندر ینا جا رہی تھی کہ کسی نے اُس کے ڈرائیور کو قتل کر دیا اور خود وہ غائب ہے۔"

"خدا کے لئے خان اعظم کو تلاش کرو اور پاگل خانے بھجوا دو۔ اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ وہ مجھے مار ڈالے گا..... لوگوں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ میں شاہدہ کو لے کر کسی طرف نکل گیا ہوں۔"

"مگر کیوں.....؟" فریدی نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میری سمجھ میں تو نہیں آتا لیکن یہ بات ضرور سمجھ میں آ گئی ہے کہ وہ مجھے قتل کر کے مفرور باور کرائے گا اور اپنے سارے جرائم میرے سر تھوپ دے گا۔ اب نہ جانے اُسے کس بات کا انتظار ہے جو مجھے اس وقت تک زندہ رہنے دیا۔"

''کیا تم اندازہ لگا کر بتا سکو گے کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔''

''شائد محل میں منتظر ہوگا تم لوگوں کی آمد کا۔ تا کہ ہر معاملے سے لاعلمی ظاہر کر کے تمہیں میری تلاش جاری رکھنے کی تاکید کر سکے۔''

فریدی نے متفق ہو جانے کے سے انداز میں سر کو جنبش دی تھی اور پھر اُس بلی کا ذکر چھیڑ دیا تھا جس کی وجہ سے اس عمارت کی طرف توجہ مبذول ہوئی تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ اس بلی کے تذکرے پر قتلو خان کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی ہے۔

''وہ..... وہ..... آدم خور بلیاں ہیں.....!'' وہ بدقت بولا۔ ''درجنوں کی تعداد میں یہیں کہیں کسی تہہ خانے میں..... اُن کی نسل خان اعظم کے پردادا کے وقت سے پلتی چلی آ رہی ہے۔ میں نے اُن کی کہانی اپنے باپ کی زبانی سنی تھی۔ خان اعظم کے بزرگ جسے سزائے موت دیتے تھے وہ انہی بلیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ خداوندا..... وہ آدم خور بلیاں آج بھی موجود ہیں۔''

''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا۔''

''ہرگز نہیں۔ صرف سنتا رہا ہوں۔ میرے باپ نے بیس سال پہلے شک ظاہر کیا تھا کہ اُن بلیوں کی نسل اب بھی موجود ہوگی۔ اسی لئے تو خان اعظم کے معتوبوں کی لاشوں تک کا پتا نہیں چلتا۔''

''لیکن وہ بلی اسی عمارت کی چھت پر سے کودی تھی اور ہم اُسی کے پنجوں کے نشانات ہی کی بناء پر اس سرنگ کے وجود سے واقف ہو سکے تھے۔''

''تت..... تو کیا..... وہ ادھر ہی سے۔'' قتلو خان کانپتا ہوا بولا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہاں اس ہال کے کسی دوسرے حصے میں اُس کے پنجوں کے نشانات ملتے۔''

''خدا کے لئے مجھے یہاں سے فوراً نکال لے چلو۔''

''ہاں ہاں..... ضرور..... لیکن قتلو خان..... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود تم نے ہی خان اعظم کو ٹھکانے لگا دیا ہو۔ کیونکہ جو کچھ تم نے انہیں مجرم ثابت کرنے کے لئے کہا ہے وہی تم پر بھی صادق آ سکتا ہے اور ہمیں اس عمارت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک عدد آدم خور بلی

بھی استعمال کر ڈالی ورنہ خصوصیت سے ہم اسی عمارت کی طرف توجہ کیوں دیتے۔ تم جانتے تھے کہ صمد خان تمہاری اس پناہ گاہ سے واقف ہے۔"

"بہت خوب! اور خود میں نے ہی اپنے آپ کو ان زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔" قتلو خان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں بخوبی دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح جکڑے کھڑے ہوئے ہو۔" فریدی بولا اور حمید اُس کے لہجے سے پہچان گیا کہ وہ واقعی قتلو خان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کا ہوشیار ہو جانا ضروری تھا۔ دفعتاً قتلو خان کی ساری زنجیریں چھنچھناتی ہوئی فرش پر آ رہیں اور اُس نے اسٹین گنوں کی پرواہ کئے بغیر اُن دونوں پر چھلانگ لگائی۔ حمید نے پھرتی سے پیچھے ہٹ کر اُس کی کمر پر اسٹین گن کا دستہ رسید کر دیا۔ وہ سیدھا فریدی ہی پر گیا تھا۔ لیکن حمید کے ہاتھوں چوٹ کھا کر اُس کی طرف پلٹ گیا۔ ٹھیک اسی وقت فریدی کی اسٹین گن اُس کے شانے پر پڑی اور وہ کسی کھسکھنے کتے کی طرح غرا کر فریدی پر آیا۔ لیکن فریدی نے پھرتی سے پیچھے ہٹ کر اُس کے سینے پر ٹھوکر رسید کی یہ اور بات ہے کہ وہ کسی پہاڑ کی طرح اٹل ثابت ہوا ہو۔ اس کے باوجود بھی فریدی سے لپٹ پڑا۔ ٹھیک اسی وقت حمید نے کسی عورت کی کراہیں سنی تھیں اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔

عورت کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور وہ کہنیوں کے بل گھسٹتی ہوئی ایک تاریک گوشے سے روشنی کی طرف آ رہی تھی۔

"اُسے دیکھو.....!" اُس نے فریدی کو کہتے سنا جو ابھی تک قتلو کو زیر کر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح فریدی پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ حمید عورت کی طرف جھپٹا۔ یہ شاہدہ تھی۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ آہستہ آہستہ کراہے جا رہی تھی۔ حمید نے تیزی سے اُس کے ہاتھ پیر کھول دیئے اور اُسے آوازیں دینے لگا۔ اُس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اس طرح حمید کو دیکھتی رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر دفعتاً چیخنے لگی تھی۔ "انہیں بچایئے..... خدا کیلئے خان بابا کو بچایئے۔" ساتھ ہی وہ اُسی تاریک گوشے کی طرف اشارہ کئے جا رہی تھی جدھر سے خود روشنی میں آئی تھی۔

"کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" قتلو خان کی غراہٹ سنائی دی۔ ساتھ ہی کسی کے

گرنے کی بھی آواز آئی تھی۔حمید چونک کر اُدھر متوجہ ہوگیا۔فریدی نے قتلو کو گرالیا تھا اور اب اسٹین گن کے دستے سے اُس کے سر پر ضرب لگا رہا تھا۔ پھر وہ اُسے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شاہدہ کے ہاتھ پیروں سے کھولی ہوئی رسی سے اُس کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اور اب فریدی پوری طرح شاہدہ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''خان ..... بب..... بابا.....!'' وہ پھر اندھیرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی اور بے حس وحرکت ہوگئی۔فریدی نے حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا تھا اور خود تاریک گوشے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

ٹارچ روشن کی تھی اور یہاں ایک اور دروازہ دکھائی دیا جو بہ آسانی کھل گیا تھا۔ پھر پہلی ہی جیسی ایک مختصر سی سرنگ طے کر کے تیسرے دروازے تک پہنچا جس کی دوسری طرف عجیب سا شور برپا تھا۔ متعدد بلیوں کی چیخیں اور غراہٹیں تھیں۔ اسٹین گن سیدھی کر کے اُس نے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا۔ بدبو کا زبردست ریلا نیم گرم ہوا کے ساتھ اُس کے جسم سے ٹکرایا تھا۔ اس طویل وعریض کمرے کا منظر کسی کمزور دل آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ یہاں بھی لالٹین کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ایک آدمی چھت سے لٹکتا نظر آیا۔ نیچے کئی خونخوار بلیاں تھیں۔ جو اچھل اچھل کر اُس تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔اُن میں سے ایک نے فریدی کی طرف بھی چھلانگ لگائی تھی۔ اسٹین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور اُن میں سے کئی گر کر تڑپنے لگیں۔ پھر باقی ماندہ فریدی ہی پر جھپٹ پڑی تھیں۔ ٹریگر پر دوبارہ دباؤ پڑا۔لیکن اتنی دیر میں ایک بلی اُس کی ٹانگوں سے چمٹ ہی گئی تھی۔ پتلون کا پائینچہ پھٹ کر جھول گیا اور پنڈلیوں پر خراشیں آئیں۔

ذرا ہی سی دیر میں تیرہ عدد خوفناک بلیوں کی لاشیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ پھر بڑی دشواری سے وہ اُس آدمی کو چھت سے اتارنے میں کامیاب ہوا تھا۔فریدی نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ خان اعظم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ تینوں بیہوشوں سمیت ایئرپورٹ تک پہنچے تھے اور حمید نے شاہدہ کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر ہاتھوں پر اٹھایا تھا اور ڈسپنسری کی طرف دوڑ لگائی تھی۔قریب ہی ایک بار بردار طیارے سے سامان اُتارا جارہا تھا اور رن وے پوری طرح روشن تھا۔

دوسری صبح حمید پر قاسم کی دھاڑ بن کر نازل ہوئی تھی۔ پچھلی رات اُسے پہلے تو ایئرپورٹ والوں نے پکڑا تھا پھر پولیس کے حوالے کردیا تھا۔ کئی گھنٹے حوالات میں بھی گزارے تھے۔ پھر ایس پی ہومی سائیڈ جو اُسے حمید کے دوست کی حیثیت سے پہچانتا تھا آڑے نہ آتا تو اتنی جلدی گلوخلاصی ممکن نہ ہوتی۔ بہرحال اُسی نے سارا ہسپتال سر پر اٹھالیا تھا۔ پھر حمید کی نیند کیسے نہ ٹوٹتی۔ اُس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور قاسم کسی بپھرے ہوئے بیل کی طرح شائد اُس پر ٹوٹ ہی پڑتا اگر ٹھیک اسی وقت فریدی نہ پہنچ جاتا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اُس نے سخت لہجے میں پوچھا تھا اور قاسم صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا تھا۔ آواز نہیں نکلی تھی۔ فریدی نے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اپنے کمرے میں جاؤ.....تھوڑی دیر بعد ہم وہیں آئیں گے۔''

قاسم کچھ کہے بغیر مڑا تھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔

''خان اعظم نے بیان دینے کے بعد خودکشی کرلی۔'' فریدی نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور حمید ہکا بکا رہ گیا۔

فریدی بستر کے قریب والی کرسی پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

''وہ اُسی وقت سے قتلو خان کی قید میں تھا جب شاہدہ نے محل میں قیام کیا تھا۔ خان شکار پر جانے کے لئے تیار تھا۔ شاہدہ نے اُس سے کہا کہ وہ بھی کچھ دن شکارگاہ میں اُس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔ خان تیار ہوگیا۔ اُسے شاہدہ اور ناصر سے محبت تھی کیونکہ خود لاولد تھا۔ انہی دونوں کو اپنا وارث بھی قرار دیتا۔ وہ شکارگاہ کے لئے روانہ ہوئے۔ قتلو بھی ہمراہ تھا۔ وہ انہیں دھوکے سے وہیں لے گیا جہاں سے برآمد ہوئے تھے اور خان کو قابو میں کرلینے کے بعد اُس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ شاہدہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس پر خان بپھر گیا۔ خان کے ساتھ اُن کا میر شکار بھی تھا وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگیا۔ قتلو نے اُسے اس پنجرے میں دھکیل دیا جس میں آدم خور بلیاں تھیں۔ وہ اُس پر جھپٹ پڑیں اور اُس کی تکا

بوٹی کرڈالی۔ شاہدہ نے وہ منظر دیکھا تھا اور بیہوش ہوگئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ پورا واقعہ اُس کے ذہن سے محو ہوگیا۔ صرف اتنا ہی یاد رہا کہ خان اس وقت محل ہی میں تھا۔ جب وہ وہاں گئی تھی اور پھر محض اندازے سے کہہ دیتی تھی کہ وہ تین چار دن بعد شکار گاہوں کی طرف چلا گیا تھا۔ قتلو نے بیہوشی ہی کے عالم میں اُسے وہاں سے ہٹادیا تھا۔ محل میں پہنچایا تھا اور یہ دیکھنے کے لئے کچھ دن محل ہی میں رکھا تھا کہ وہ دوسروں کو کیا بتاتی ہے۔ لیکن کوئی خاص ردعمل نہ دیکھ سکا۔ اسی دوران میں بلی کی آواز سن کر شاہدہ پر دورہ پڑا اور معاملے کی نوعیت قتلو خان کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کے بعد بھی پس پردہ رہ کر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ شاہدہ کو تہہ خانے والے حادثے کے متعلق کچھ یاد ہے یا نہیں۔ لیکن شاہدہ کی یادداشت کی سطح پر وہ واقعہ نہیں اُبھر سکا تھا۔ اُس نے کچھ دنوں کے بعد اُسے گھر واپس بھجوا دیا اور خان بدستور اُسی تہہ خانے میں قید رہا۔ وہیں اُس نے اُسے مجبور کر کے شاہدہ سے شادی کا تحریری پیغام عظمت محل بھجوایا تھا اور اُسے اس لئے زندہ رکھا تھا کہ عظمت محل سے انکار ہوجانے کی صورت میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا۔ پیغام بھجوا دینے کے بعد ہی سے عظمت محل والوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے نت نئی تدابیر اختیار کرتا رہا تھا۔ نذر گل والا واقعہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ عظمت محل والے یہی سمجھتے رہے کہ یہ سب کچھ خان اعظم کی طرف سے ہو رہا ہے۔ بہرحال پھر بات شاہدہ کے اغواء تک پہنچی۔ اغواء کر کے وہ اُسے پھر وہیں لے گیا جہاں خان اعظم مقید تھا اور اب وہ خان اعظم سے عظمت محل والوں کے نام اس نوعیت کا خط لکھوانا چاہتا تھا کہ اُس نے شاہدہ کی شادی زبردستی قتلو خان سے کردی اور اُنہیں وادی سرخاب سے باہر روانہ کردیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ واپس آ جائیں گے اور چونکہ خان نے پہلی بار اپنے خاندان والوں سے زبردستی کی ہے لہٰذا اب وہ بھی کسی کو منہ نہیں دکھائے گا۔ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو رہا ہے۔ خان نے ایسا کوئی خط لکھنے سے صاف انکار کردیا تھا۔ لیکن قتلو نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اگر دو دن بھی اسی طرح چھت سے لٹکا رہا اور آدم خور بلیاں اُس کا صفایا کردینے کے لئے اچھلتی کودتی رہیں تو راہ پر آ جائے گا۔ ادھر شاہدہ کا یہ حال تھا کہ قتلو کے آگے خان کی رہائی کے لئے گڑگڑاتی رہی تھی۔ شادی پر بھی آمادہ ہوگئی تھی اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ خان کو اُس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرنے دے گی۔ لیکن قتلو

اتنا نادان نہیں تھا۔ پکا کام کرنا چاہتا تھا۔ خان سے آخری خط لکھواتا اور انہیں ختم کر دیتا۔ خان نے بتایا ہے کہ قتلو کے خاندان میں دولت کی ہوس سینکڑوں سال سے چلی آ رہی ہے۔ اُس کے اجداد نے ایسے ہی جابرانہ مجرمانہ طریقوں سے دوسروں کی جائیدادیں حاصل کی تھیں۔ یہ اُس کی موروثی ہوس تھی۔ شاہدہ سے شادی کرنے کے بعد ناصر کو ختم کر دینے کی کوشش کرتا۔ اس طرح کہ قتل حادثہ معلوم ہو۔ اُس کے بعد دونوں گھرانوں کی دولت شاہدہ کے حصے میں آتی۔ یعنی اُس کا مالک قتلو ہوتا۔''

''پھر خان نے کیوں خودکشی کر لی۔''

''اُس کے ہاتھ بھی تو صاف نہیں تھے۔ وہ خوفناک بلیاں اُس کی تھیں اور اُن کی نسل اسی کے اجداد کے وقت سے چلی آ رہی تھیں جس بڑے پنجرے میں وہ بند رہتی تھیں اُن میں کئی انسانی پنجر ملے ہیں۔ بس اتنا ہی تھا کہ ہمارے معاملات میں اُس کا ہاتھ نہیں تھا۔ اُس کی تمام تر ذمہ داری قتلو پر تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ اُس نے خودکشی کر لی ورنہ بہت ذلیل ہوتا۔ بہرحال شاہدہ اب معمول پر ہے۔ دوسری بار بلیوں کا سامنا ہوتے ہی پچھلا واقعہ یادداشت کی سطح پر اُبھر آیا تھا۔ خان نے اپنی بہن روشن زمانی خانم کے پُراسرار مرض کی وجہ بھی یہی بتائی تھی۔ کسی پر اُن بلیوں کو حملہ آور ہوتے دیکھا تھا اور جزوی طور پر یادداشت کھو بیٹھی تھی۔''

''بہرحال میرے مقدر میں تفریح نہیں ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''جہاں گھر سے باہر قدم نکالا۔ بدبختی نے تعاقب شروع کر دیا۔''

مزید کچھ نہ بولا۔ اُٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گیا تھا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ جیسے تازہ ہوا سے کسی قسم کی گھٹن دور کرنا چاہتا ہو۔

ختم شد